

اللہ معکم ایما کنتم فاللہ خیر حافظاً وهو الرحیم الرحیم

# مقالہ رحمانی

یا  
تذکرہ بزرگان

”فیضان“

حضرت مرشدنا سید اسد الرحمان شاہ صاحب مدظلہ

مرتبہ

حکیم عبد العزیز مخطیب رحمانی

الناشر

کتب خاقاندریہ رحمانیہ  
زبیدہ منزل، تحفہ فلور  
بلاک ۳، کواٹر نمبر ۲۵۲۵ لیاقت آباد کراچی

جلد حقوکی بحق مولف محفوظ

۲۹۷۶۹۹۲

۵۱۱  
۲-۳۸۲

مؤلف — حکیم عبدالعزیز خطیب حانی

ناشر — مکتبہ رحمانیہ، فیڈرل بی ایریا  
کراچی ۳۸

کتابت — عبدالرحیم خوش نویسی

تاریخ اشاعت — اکتوبر ۱۹۷۵ء

نقد اد اشاعت — ایک ہزار

قیمت — تین روپے

نور آرٹ پریس

# ترتیب مقالات رحمانی

- ۱ اقتاب  
۲ مدح  
۳ منقبت  
۴ تقاریر  
۵ پیش لفظ  
۶ نعتیں  
۷  
۸ ذکر حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲  
۹ امام جعفر الصادق ۱۴  
۱۰ ابن طفیل ۲۰  
۱۱ ابوالقاسم شاطبی ۲۷  
۱۲ شیخ عبدالقدوس گنگوہی ۵۲  
۱۳ سید وارث علی شاہ ۶۲

۱۲۱۱۱۱۱۱

۱۲۱۱۱۱۱۱

- ۶۲ شاہ عبداللطیف بھٹائی
- ۷۹ مخدوم محمد جعفر بولکانی
- ۸۶ ابن سعید بصری
- ۹۴ مدد شیخ رحیمکار کاکا صاحب
- ۱۰۵ سردشاہ سلیمان پھلوانوی
- ۱۱۷ سندھ کے دوہم عصر عالم
- ۱۲۵ ذکر شہدائے کربلا علیہ السلام
- ۱۳۷ اقبال اور ملا
- ۱۴۰ فضائل رمضان
- ۱۴۹ حضرت مجدد الف ثانی
- ۱۵۴ موجودہ دور کی پریشانیوں اور ان کا حل

حامداً ومصلياً

# شرف التساب

بحمد اللہ تعالیٰ "مقالات رحمانی" کا یہ مجموعہ جو قلموں اپنے آقا و مراد  
سید والاتباء، قلندرِ زمان حضرت حبیب الاولیاء مولانا و مرشدنا سید  
ناصر الدین محمد اسد الرحمن شاہ صاحب قدسی، اعلیٰ اللہ تعالیٰ مقام محکم  
کی بارگاہ اقدس میں عقیدت کے یہ چند پھول پیش کرنے کی نہایت ادب  
بصدا احترام جبارت کرتا ہوں۔

کہ حضرت مرشدِ کریم کی نگاہِ انعامات و دعاء خاص نیز فیضانِ نظر  
سے یہ ناچیز اس قابل ہو سکا۔

زیادہ ادب، رُح من دوست و دامانِ آلِ رسولؐ

محتاج دعاء و خاکپائے سرزمینِ پاک مدینہ و نجف

ناچیز حکیم عبید العزیز خطیب رحمانی

کان اللہ تعالیٰ له

۳۸  
۷۵

اسلام آباد

# مدح

در مدح مرشد کریم حضرت سید ناصر الدین محمد اسد الرحمن قدسی شاہ صاحب  
علی اللہ تعالیٰ و تقدسی مقامہم، آستانہ مبارک - بھون، (ضلع جہلم)

بتیدی، یا مرشدی، یا راحت روح و جگر

یا ملجا، و ما وائے من، جز تو ندارم چہ ارہ گر

اے سید و الانسب، اے منظر انوار رب

اے عارف قدسی لقب، اے مرشد والا گھر

بان بریم در آمدہ، دل و فراقت خون شدہ

زار و زار و خستہ ام، از لطف خود سویم نگر

اے جسم و جانم شد فدای نظر کرم بہر خدا

از تو ہی خواہم ضیاء، اے نورِ دل، اے راہبر

از بجز تو ناله کنم در فرقت آب کشم  
 من مرغ بے بال و پریم، افتادیم در ملک تهنه  
 بے شک سراپا غفلتم، تا ہم غلامِ حضرتیم  
 من کلب کوئے مُرشدیم، بیغم نہ در گاہِ دگر  
 تو مهر عالم تاب و من یک ذره آوارہ وطن  
 جز تو درین دیر کهن، هرگز ندارم مُستقر  
 یارب بجایه مُصطفیٰ، سختیِ صمیم را شفا

از هر مرض سازی را، واحفظه از سقم و ضرر  
 یا بد حیاتِ لوحِ اذیتِ العلاء ربّ الوری  
 فیضانِ او جاری شود، در هر جهت، در بحر و بر

شاعر نام، این بیہتا در اضطراری گفته ام  
 حالِ دل محزونِ خود را موزوں کردم سر بہ سر  
 ہستم عزیزِ بے لواء، گریہ کنم صبح و مسا  
 یارب بہ فضلِ خود مرا، بنما رخ رشکِ قمر

گلزارِ خلیل مقامِ مبارک، ضلع قمر پارک شدہ  
 سرہندہ کلاپری

# منقبت

یہ تقریب جشن ولادت حضرت مرشدنا و سیدنا شاہ زاوہ قدسی صاحب  
اعلیٰ اللہ تعالیٰ مقام ہم ۱۲ رجب المرجب ۱۳۹۵ھ بمطابق ۲۲ جولائی ۱۹۷۵ء  
استانہ مبارک - بھون، ضلع جہلم

ہم پر واجب ہے کہیں شکرِ خدا آج کے دن!  
اس نے مرشد جو کیا ہم کو عطا آج کے دن  
عالم و مراد میں جو ہوئی رحمتِ حق  
اس جہاں میں ہوئے نب جلوہ فر آج کے دن

مرشد برحق و دربارِ نبوت کے عہدِ اسلام  
حاجی دین متین بھسج دیا آج کے دن  
ہم عہدِ اسلاموں کے لیے شفقت شاہِ لطیف  
مل گئی ہم کو مدینے کی ہوا آج کے دن



سائے حضرت قدسی کے ہمیں ملتی ہے  
 نور توحید سے معمور فضا آج کے دن

آپ سے ہم کو ملا شاہِ نبوت کا پیام  
 آگئی دل میں نبوت کی ضیاء آج کے دن

ان کا سایہ ہے قائم تری رحمت بن کر  
 اے خدا سن لے غلاموں کی دعا آج کے دن

(بقلم آستانہ مبارک بھون ضلع جہلم)



# تقاریر

محمدؐ و نصلی علی رسولہ الکریم۔

امایعد، مجموعہ "مقالات رحمانی" جس میں سرزمین پاکستان و ہند کے مختلف صوبہ جات کی مشہور بزرگ شخصیتوں کا تذکرہ ہے، مثلاً سندھ کے شاہ لطیف بھٹائی، سرحد کے سید رحکار کا صاحب، صوبہ بہار کے سید شاہ سلیمان پھلوانوی، دہلہ ضلع بارہ بنگی کے حاجی وارث علی شاہ وغیرہ، نیز مختلف اور متنوع علمی مقالے مثال کے طور پر "ابن طفیل"، "ابن دربید"، نیز حضرت امام جعفر الصادقؑ وغیرہم عزیز القدر عید الصریح خطیب رحمانی نے بڑی عرق ریزی اور ذاتی علمی مشقت سے مرتب کیے ہیں۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مجموعہ "مقالات رحمانی" کو شرف قبولیت بخشیں اور اہل علم و عوام الناس کے لیے استفادہ کا ذریعہ بنائے۔

ڈاکٹر عابد الموحّد

ہالے پوٹا ایم۔ اے بی بی

ڈی۔ فل آکسفورڈ

فاضل علوم الدین، ڈائریکٹر ادارہ

تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

۲۷ جمادی الثانی ۱۳۹۵ھ

مطابق ۷ جولائی ۱۹۷۵ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عزیز بڑی انکرم مولانا حکیم عبدالعزیز خطیب رحمانی۔ کو اللہ کے فضل و کرم سے  
کتشاب علمی کی طرف رجحان ہے اور اہل دل و اہل صفا کے ساتھ خاص عقیدت مندی

ان کو حضرت مولانا سید اسد الرحمان شاہ صاحب قدسی مدظلہ العالی، آستانہ  
بھون، ضلع جہلم سے ارادت حاصل ہے اور ان سے والہانہ عقیدت رکھتے ہیں۔  
غالباً انہی کی تربیت کا اثر ہے کہ بزرگان دین اور خصوصاً ائمہ شرع متین سے  
محبت رکھتے ہیں اور اس محبت و خلوص کا اظہار اپنے مضامین کے ذریعے کرتے  
رہتے ہیں۔

چند بزرگوں کے حالات اور حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی نشان میں  
اپنی بعض موردوں تحریریں اور بعض مقالات کو اس مجموعے میں ترتیب سے کر ایک  
دل پسند گل دستہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو  
بار آور بنائے اور مزید علمی کاوشوں کی سعادت بخشے۔

مولانا عبدالعزیز خطیب رحمانی سرزمین سندھ کے مشہور مقام سکھر کے ایک

علی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنے جد امجد حضرت مولانا محمد عتیقؒ، والد محترم مولانا نور احمد قاسمی، خطیب (فاضل دیوبند)، نیز عم بزرگوار مولانا ابو محمد عبدالرشید (فاضل دیوبند) کی دینی و تدریسی خدمات کے ساتھ خود بھی دین کی خدمت میں ہمہ تن مشغول رہ چکے ہیں۔

مشیت ربوبی سے اپنے بعض قریبی بزرگوں کی علی اوصاف کے باوجود ان کے ہاتھوں سچی طور پر منظوم و مصیبت زدہ رہے ہیں۔ بنا بریں ہمیشہ ایثار و بے نفسی کے امتحان سے گزرتے ہوئے عزم و مصروف نے لازمی طور پر رقت قلبی و صفاء قلبی میں بھرا اللہ تعالیٰ ایک بے مثال شخصیت کا ثبوت صرف اپنے خاندان والوں ہی کے لیے نہیں بلکہ اپنے واقف کاروں اور جمیع رفقا و اقربا کے لیے ہم پہنچایا ہے۔

اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر سے دعا ہے کہ اپنی رحمت کاملہ سے ان کے علم و عمل سے لوگوں کو فائدہ پہنچائے اور خود ان کی صفات میں سعادت و برکات کے ساتھ شادمانی و کامرانی نیز فلاح و امداد کی دائمی زیادتی سے مؤلف عزیز کو نوازے۔ آمین  
ثم آمین!

ڈاکٹر محمد صغیر حسن مصدوقی

سابق ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی

اسلام آباد

۷ نومبر ۱۹۴۵ء، منامہ ۳-۱-۱۹۴۵ء، اسلام آباد

یوم شنبہ ۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۵ھ ہجری

مطابق ۱۴ جون ۱۹۴۵ء

(۳)

جناب عبدالعزیز خطیب رحمانی صاحب کو اپنے بزرگوں کی طرح علم کا شوق اور وہیں سے شغف ہے۔

اور شوق کی یہ قوت ہے کہ

شوق دل پر ہمیں شدت رونق صنم ہا

انہوں نے بزرگوں کے احوال پر مضامین لکھے، اور اس کا مجموعہ شائع

کر رہے ہیں۔

میسری دعا ہے کہ اسے قبولیت عطا، اور ناظرین کو اس سے فائدہ

پہنچے۔

سید عبدالقدوس ہاشمی

لائیبریری ادارہ تحقیقات اسلامی

اسلام آباد

۱۸  
۶۵

اگرچہ جناب عبد العزیز خطیب رحمانی صاحب اور میری شناسائی کی مدت تقریباً دو ڈھائی سال سے زیادہ نہیں ہے۔ لیکن اس کم مدت میں ان سے معمولی ارادت ہے جو ان کو حضرت رسول کریم ص و حضرات اہل بیت طاہرین علیہم السلام سے ہے۔ اس ارادت کی جیتی جاگتی مثال اور زندہ برہان ان کی کتاب "مقالات رحمانی" ہے جس کے ہر صفحہ سے ان کی محبت رسول اور اہل بیت اطہار صلوات اللہ علیہم واضح و لائح ہے۔ انھوں نے اس ارادت کو نظم و نثر و نثر و نثر میں اظہار فرمایا ہے۔

میں جناب رحمانی صاحب کی مزید ترقی کے لیے درگاہ خداوندہ متعال دست بہ دعا ہوں۔ اُمید ہے کہ عرفان و ہدایت کے مشتاقین مولف محترم کی کما حقہ تقدیر و تعظیم و تشوین فرمائیں گے۔ والسلام

احقر العباد: ڈاکٹر سید علی رضا نقوی

ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی

ریڈر ادارہ تحقیقات اسلامی

اسلام آباد

۵

حضرت سید رئیس امر و ہدی مدظلہ  
قطعہ

مشت خاک بشر سی فانی جاودانی ہے روح انسانی  
وہ عزت ہے، خطبہ رحمت! اے عزیز اے خطیب رحمانی

مقام میز لوپ خاص (سندھ)

۲۷ - ۱۹۶۸

نوٹ: مستقبل قریب میں زیر طبع "مقالات رحمانی" کے لیے پیشگی  
خاص عطیہ تقریظ، بغضہ تعالیٰ یہ مجموعہ ۱۹۶۵ء ۲۰/۶/۲۰، اتنے عرصہ دراز  
کے بعد مادی بے سرو سامانی کے سبب طبع نہ ہو سکا۔ محذوم محترم امر و ہدی  
صاحب قبلہ کامر ہوں، مشت اور نمون ہوں اور محذرت حضرت سید  
شبیر بخاری صاحب مدظلہ کے ایک الہامی شعر پر کہتا ہوں کہ سے  
آج ہر گام پہ ہر سمت صفت آزار ہیں زیر پیر!  
اللہ داسوہ شبیر، ابھی میں زندہ ہوں

# پیش لفظ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مُحَمَّدَا وَاٰلِیْهِ عَلٰی وَسَلَّمَ الْکَرِیْمِ

قارئین کرام یہ مجموعہ مقالات رحمانی یعنی تذکرہ بزرگان دین میری غیر اختیاری  
 واردات قلبی کا ایک معمولی سا خاکہ ہے۔ سوچتا ہوں! یہ ادراک پریشانی اور  
 خیالات پر اگندہ جن اصحاب نظر ادراہلِ علم کے مطالعہ میں آئیں گے وہ ان سے  
 کیا حاصل کریں گے؟

یہ مضامین اور مختلف مقالے میں نے کیوں لکھے اس کے

لیے لکھے! یا پھر کس نے لکھوائے! کیوں کہ یہ دعویٰ کروں کہ میری یہ تحریریں خونِ جگر  
 سے لکھی ہوئی ہیں! یہ متاعِ عزیز ہیں جنہیں بظاہر لفظوں کے جواہر ہی بکیر دیتے ہیں  
 کہ ان باتوں کی دلیل بھی تو نہیں لا سکتا!

جہاں تک معارف و عقائد سے آگہی کا تعلق ہے تو اس کا دعویٰ کیوں کہ  
 ممکن ہے؟ کہ اپنا جیب و دامن علم و ہنر سے خالی ہے۔ علم و تقویٰ کے تقاضوں  
 پر عمل پیرا ہونے کا خیال تو ہے۔

سوائے حسرتِ تعمیر گھر میں خاک نہیں!



لطف کی بات یہ ہے کہ کبھی کالج سے یونیورسٹی تک اور مشہور جامعات تک

احساسِ نارسائی یا بے سرو سامانی نے پہنچنے نہ دیا، دوسرے الفاظ میں

نہ قاضیم نہ پیرس نہ محتسب نہ قضیہ

ابتداءً شعور سے جس خاندان میں آنکھیں کھولیں سجد اللہ تعالیٰ خاندانی ماحول

”تخلقوا باخلاق اللہ تعالیٰ“ اور صبغت اللہ تعالیٰ ومن احسن من اللہ تعالیٰ

صبغتہ“ نیز ایمان باللہ اور عمل صالح کی سعادت سے فضا معشرہ معطر تھی۔

بچپن میں دینی تعلیم قرآن و حدیث اپنے جدا جدا مجد (حضرت مولانا محمد حسین)

والد ماجد (مولانا نور احمد قاسمی خطیب) علم محترم (مولانا ابو محمد عبدالرشید شافعی

دیوبند)، نیز والدہ ماجدہ محترمہ رابعہ بصریہ مدظلہما سے حاصل کی۔ ہندوستان

کے جامعہ دارالعلوم دیوبند ضلع بہارن پور سے ان بزرگوں نے اکتسابِ علمی

کیا اور اپنے علمی سایے میں اسحق کو لیا۔ اکبر الہ آبادی اپنے دور کے علمی مرکزوں کے

بارے میں رطب اللسان ہیں۔

ہے دل زردہ مثال دیوبند اور نہ وہ ہے زبان ہوشمند!

اور علی گڑھ کی بھی تم تشبیہ لو؟ ایک مقدس پیٹ بس اس کو کہو!

پہنانچہ ابتدائی اور ثانوی دینی تعلیم کے بعد حضرت مولانا عبید اللہ سندھی

کے مدرسہ عربیہ اسلامیہ منظر العلوم، کراچی سے دورہ حدیث و تفسیر کی سند

فضیلت حاصل کی، اس کے بعد جامعہ عباسیہ بہاول پور کے شعبہ طلب سے

فہن طب کی تکمیل کی، سر زمین پاکستان کی سابق ریاست بہاول پور گیا تھا تو

”دانش برہانی“ سیکھنے کو! لیکن حضرت سنی سبحانہ، و تعالیٰ نے عالمِ غیب سے اس

عزیز بے لڑا کی عورت افزائی فرمائی اور دانش نوری سے بھی نوازا۔

بہاول پور کے زماہ طالب علمی میں حضرت مولانا وسیدنا اور مرشدنا االسید ناصر الدین محمد اسد الرحمن قدسی شاہ صاحب مظلّم العالی بہاول پور شریف لائے تو

میری عمر تقریباً ۲۲ سال تھی۔ ذہنی اور جسمانی طور پر فصل بہار سے گزر رہا تھا!

لیکن معنوی اور روحانی طور پر سراپا خستہاں تھا۔

کئی باللہ شہید آگے حضرت مدوح کی خاص نگاہ و التفات اور نگاہِ کرم

سے تقذیر تو نہیں بدلی (کہ لا تبدیل حکمات اللہ) البتہ عاقبت

سنور گئی گو یارتِ کعبہ نے اپنے حبیبِ حضرت رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم

کی غیر اختیاری محبت اور اہل بیت کے احرام و ادب کی دولت سے مالا مال

فرما دیا، فاحمد علیہ تعالیٰ اعلیٰ احسانہ۔

حضرت مرشدنا وسیدنا قلندر الزماں شاہزادہ قدسی اعلیٰ اللہ تعالیٰ مقامِ

کی ذات و الاصفات کی بے پایاں عنایات اور غیر معمولی شفقتوں کا شکر یہ ادا

کرنے کی تائب کہاں؟

یہ چند مقالات حضور مرشدنا اکبریم مدظلہ العالی کے فیضانِ نظر کا ثمرہ

اپنی سراپا محفلت و معصیت زدگی کے باوجود ایک ادنیٰ تجربہ ہے جس کے اظہار

کی جرات کی گئی ہے۔

درویشانی خدا مست اولیاء الرحمن کا ذکر خیر اہل علم و فضل کی کتابوں

مختلفہ محمد علیہ رسالوں سے اخذ و ترجمہ کر کے اہل دل حضرات کی نشاطِ طبع و

روحانی بالیدگی کے لیے یہ مجموعہ تیار کیا گیا ہے تاکہ خدا سے بزرگ و بڑا اور ان کے  
 پیارے رسول حضرت سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی و رضائے  
 اتباع و قرب کا وسیلہ بنے۔

دلِ نالہ! چرانا لہ، نہ دانہ نکا ہے یا رسول اللہ نگاہے!  
 مولائے کریم کا رسا ز اور مشکل کشا حقیقی اس مجموعے تذکرہ کو شرف  
 قبولیت بخشے اور میرے لیے نیز میرے مشائخ، اساتذہ اور والدین اور  
 جمیع متعلقین کے لیے حشر کے دن مغفرت و رحمت نیز شفاعت کا سبب بناؤ  
 رَبَّنَا تَقْبَلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَتُبْ عَلَيْنَا  
 إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

طالب دعا و داعی الخیر

فقیر محمد عبد العزیز خطیب رحمانی کان اللہ

بھوارا لشقا و رحمانی، احمد پور مظفر آباد

تحصیل صادق آباد

ضلع رحیم یار خان

۲۰/۵

# نعت

محمدؐ منظر نور خدا ہیں      محمدؐ مصدر رشد و ہدیٰ ہیں  
 محمدؐ مکرزین جو دوست ہیں      محمدؐ مصلحینِ مسلم و حیا ہیں  
 محمدؐ وجہ تخلیق دو عالم      محمدؐ باعثِ ارض و سما ہیں  
 محمدؐ خسر موجوداتِ عالم      محمدؐ خواجہ ہر دوسرا ہیں  
 دو لائے در دستِ الٰہی محمدؐ      وہی تسکینِ دردِ لا و ہا ہیں  
 انہی کی ذات ہے مقصودِ کونین      وہی مولائے کل خیر الوریٰ ہیں

یہاں مشکل میں کوئی غم نہیں ہے  
 صبیح کبریا مشکل کشا ہیں



## نعت

نسل آدم میں باوقار ہیں آپ  
 آدمیت کا افتخار ہیں آپ  
 بارغ ہستی میں آپ کیا کیا ہیں  
 گل سرسید ہیں بہار ہیں آپ  
 درو مندوں کے بے ثوابوں کے  
 چارہ گرہ بارغ غم گسار ہیں آپ  
 جلوتِ خلق کے ہیں آپ امین  
 تلو انزل کے بے سہاروں کے  
 چشمِ صدیق سے کوئی دیکھے  
 ہر دو عالم میں پاس آ رہے ہیں آپ  
 کتنے ہمدرد بارغار ہیں آپ  
 ہیں شکستہ دلوں کی آپ پناہ  
 اُجڑے گلزار کی بہار ہیں آپ  
 دوجہ تسکین درد آپ کی ذات  
 صنیعِ قدرت کا شاہکار ہیں آپ  
 دوجہ عزت ہے آپ سے نسبتاً

نام احمد ہے جس منارِ معجزہ

سکے آگاہ ہے ناہار ہیں آپ

(مطبوعہ فیض الاسلام، اکتوبر ۱۹۳۳ء)

# ذکر حبیب ﷺ

سیرت مقدسہ کا یہ مجموعہ، حیانت طیبہ کا یہ سرچشمہ جس میں سرور کائنات  
رنگ و بو فخر موجودات، ہمہ عالم، نور عظیم، سید العرب و العجم سیدنا و مولانا رحمت عالم  
محفوظ اکرم امام الانبیاء و المرسلین خاتم النبیین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ  
الصلوة والسلام کا ذکر تیز میرا رک، اور یہ مقدس ہے

ذکر حبیب کم نہیں وہ اصل حبیب سے!

جہاں اپنے لیے سونے جیو و سعادہ ہے اور یہ یوم آخرت کے لیے وہ اپنی شفاعت کا باعث امید رحمت ہے  
تبدلت بہشت اپنی سبتہ گر حالی بڑا ہے

اس مختصر سیرت نبویؐ کا انتساب اپنے ہمارے سرکار قبلہ حضرت مرشدنا  
و خدو منا سیدنا سدا رحمان صاحب القدسی اعلیٰ اللہ تعالیٰ (استاذ عالمیہ  
قلندریہ، شاذلیہ، جمہوریہ) عالی "استاذ مقدسی" بھون شریف تحصیل جکوال  
ضلع جہلم، پاکستان

کی بارگاہ قلندریہ میں نہایت ادب و احترام سے تہہ دل سے پیش و تکرار ہوں

۲۰۳۸۲

کے شانیں چہ عجب گر بنوا زندگداران  
 تیز گے قبول اقتدر سے جو کثرت  
 خاک پائے ننگ بندگان و درویشان خداست  
 فقیر عبد العزیز کان اللہ

۱۳۸۱ - ۱ - ۱۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

والصلوة والسلام علی النبی الامی محمد الرسول وعلی الہدی واولیہ  
 (۱۳۸۱ - ۱ - ۱۸) حضرت خاندانِ مبارک و نورانی خاندانِ نقشبندیہ کے درویشوں سے پوچھا گیا  
 قال محمد بن ہارون بن ابی اسحاق مرزا کازرو و عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دو صحابی سلسلہ  
 نسب حضرت اسماعیل علیہ السلام سے یا تحقیق ہی جاتا ہے  
 سرالپنور حضور نبی کریم محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف  
 بن قصی بن کلاب بن کنانہ بن خزیمہ بن مضر بن کنانہ بن لوی بن قحطان بن یمن  
 کہ باہم مل جاتا ہے۔

۱۲ ربیع الاول عام الفیل بروز دو شنبہ مطابق ۲۰ - اپریل  
 ۵۷۱ء کو مکہ معظمہ میں ہوئی انجمن کے نزدیک مشہور روایت

ولادت

یہ ہے۔

ہنوز آدم بہ شکل آب و گل بود  
 ترا از نورین دل آفریدند (مظہر الدین)

Marfat.com

آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں بظاہر مادی بے سرو سامانی  
اور یہ قیمتی کی حالت میں پرورش پائی کیونکہ آپ کے والد ماجد

آپ کی ولادت مقدس سے ۲ ماہ قبل ہی رحلت فرما گئے تھے۔ آن حضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک لوندھی پانچ اونٹ چند بھڑی نرگہ میں چھوڑی۔

اور جب چھ برس کی عمر عزیز ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ بمقام "ابو ابراہیم" میں

انتقال فرما گئیں، تو جنابہ ام امین نے آپ کی پرورش کی اور دادا جان جناب  
عبدالمطلب نے اپنی آنکوشی شفقت میں لے لیا۔

دادا نے ۴ برس کی عمر میں وفات پائی اس کے بعد آپ کے چچا حسان

جناب ابوطالب نے آپ کو اپنے دامن تربیت میں لیا، اللہ تعالیٰ کی ایک بہت  
بڑی مصلحت و حکمت تھی کہ آپ کو بظاہر "امی" رکھا گیا۔

زینت ازل کی ہے تو ہے رونق ابد کی تو

دونوں میں جلوہ ریز ہے تیرا ہی رنگے آب (ظفر علی خاں)

آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف ۳۰ برس ہوئی تو آپ نے

سفر اپنے چچا کے ساتھ ملک شام کا سفر کیا۔ بمقام بصری تیماک کے ایک بیوی

بہت بکیر نامی نے آپ کے چہرہ انور سے ایک خاص امتیاز، غیر معمولی شان

اور معصوم اور محسوس کر کے ابوطالب سے کہا: آپ کے بھتیجا کا مستقبل شاندار

ہے ان کا خوب احترام کریں اور اوباب!

جب آپ کی عمر طبعی ۲۵ برس کی ہوئی تو آپ نے حضرت سیدہ خدیجہ

الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ کو اپنے ہمراہ لیا اور سفر فرمایا۔ اسی سفر میں



نسطور انصرانی نے آپ کے روئے مبارک کو دیکھ کر شہادت دی کہ خاتم النبیین  
صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی ہیں، مال تجارت فروخت کر کے پھر مکہ حرم شریف  
کرم فرما ہوئے۔

اس سفر کے دو ماہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت  
نکاح خدیجہ بنت خویلد سے جن کی عمر ۴۰ سال تھی عقد فرمایا، جب کہ  
مرد صوفہ بیوہ تھیں۔

آپ کی ذات اقدس، صدق و صفا تسلیم و رضا نیز مرد و فاک کا مل  
منظر تھی، آپ سرزمین عرب میں "الامین الصادق" کے لقب سے  
مشہور و نامور تھے۔ آپ اُچی تھے اور کسی مدرسہ و کتاب سے فیض یاب  
نہیں ہوئے، قوم کی علمی و فنی سطح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جب پوری قوم خود  
اخلاقی گراؤٹ اور تخریبی فہمیت کا شکار تھی۔

لہذا آپ میں یہ بلند مقام و بے داغ اخلاق فطری تھا۔

حسن پوست و م عیسیٰؑ بید پیزار اری

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فریضہ رسالت ۴۰ سال کی عمر  
بیشیت میں (جب کہ قرآن طبعی کے توازن و اعتدال کا دور ہوتا ہے)  
ادا کرنے کی عظیم ایشان ذمہ داری سپرد ہوئی۔ آپ غار حرا میں مشغول عبادت  
و سرگرم ریاضت تھے۔ روایاتے صادقہ کے ساتھ ساتھ حضرت جبرئیل علیہ السلام  
وحی الہی لے کر نازل ہوئے۔

تلقین و دعوت عرب و عجم کی عام حالت ناگفتہ بہ تھی۔ خصوصاً آپ

نے عرب کے باشندوں، باسیوں کو اور عموماً تمام عالم انسانیت کو دینِ فطرت کی دعوت دی اور آباؤ اجداد کے غلط، فہم، رسم و رواج، توہم پرستی اور جاہلیتِ قدیمہ کی روایات اور خرافات سے احتراز کنارہ کشتی کا عملی ذوق ابھارا، استعمار کا اور سرمایہ دارانہ نظام کی پیدا کردہ خرابیوں اور تباہیوں سے انھیں باخبر کیا اور محمود و ایاز کو ایک ہی صف میں گھرا کر دیا۔

بندہ و محتاج و غنی ایک ہوئے

تیرے دربار میں پہنچے تو بھی ایک ہوئے (اقبال)

سب سے پہلے اسلام کا نظریہ زندگی اپنانے والے  
**السابقون الاولون** مردوں میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ عورتوں میں  
 حضرت خدیجہؓ، بچوں میں حضرت علیؓ علیہ السلام ہیں۔ پھر تدریجاً شمع رسالت کے  
 پروانوں، اہل بیت کے غلاموں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

ان کو پسند کر کے دو عالم میں ناپسند

اتنا بلند سب کا مذاق نظر کہاں!

آپؐ کی قوم آپؐ کی دعوتِ رشد و ہدایت کا جواب پنھروں سے  
**مصائب** دیتی، راہِ گزر میں کانٹے بچھاتی، یہاں تک کہ آپؐ کے اوپر شجاعت

پھینکتی، یہ زمانہ پونہ اپنی محسنوں کو تنگ کرتا ہے

وہ دیکھ کر صلح دیتے ہیں یہاں سے جنگ کرتا ہے (حفظہ جالندھری)

لیکن آپؐ صبر و استقلال، عزم و استقامت کے ساتھ مصیبتوں اور شدتِ  
 سواتھل و برداشت فرماتے، حتیٰ کہ آپؐ کے قتل کا ارادہ کر لیا گیا، لیکن اس کے

باد صفت آپ اپنے مقصد مقدس و محوت و تلقین میں مصروف رہے۔

قلم را آل زباں نبود کہ سر عشق گوید باز

ورائے حد تقریر است شرح آرزو مندی

بعثت کے ۵ سال بعد جب آپ کے متبعین پیروں پر بھی ظلم و

باجرت تعدی خوب بڑھ چڑھ کر ہونے لگی۔ تو آپ نے ان کی حبشہ کی

طرف ہجرت کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ ۱۰ اجواں بختوں اور ۵ پاک دامنوں نے حضرت  
جعفرؑ کی قیادت میں ہجرت کی پھر ۳ ماہ کے بعد یہ لوگ واپس چلے آئے اور خوش بخت

نجاشی (شاہ حبشہ) مشرف بہ اسلام ہوا۔

ایمی سعادت بزور بازو نیست

تا بہ بخشندہ دئے بخشندہ

آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جان حضرت حمزہؓ اور حضرت

محاصرہ عمر بن الخطابؓ کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے باوجود

اب تک مومنوں کی مادی قوت کمزور تھی۔ یہ ۴۰ مرد اور تین تھیں جب کہ اسلام

کی اشاعت و ترویج اکثر قبائل عرب میں پھیل گئی تھی، قریش جو اس باختر ہونے

آن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خاندان بنی ہاشم کو ایک گھاٹی میں محصور کر دیا، تعلقات

منقطع کر لیے گئے یہ ۷ ماہ کا ساکنہ ہے انسانیت کے دشمن کس ذات گرامی سے

یہ سلوک کر رہے تھے جو

مفاسد کا زبرد زبرد کرنے والا

(حالی)

قبائل کو شیر و شکر کرنے والا

سومال و شوار گنار مرحلوں کو طے کرنے کے بعد مولائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰ھ میں نقص معاہدہ کے بعد حصار سے نکلے۔

ابو طالب اپنی خاندانی روایات، برادری کے رسوم و قیود اور طائف طغنه زنی کے اندیشہ اور ڈر سے اسلام نہیں لائے ان کا انتقال ۱۰ھ میں ہوا، سرکشوں اور مخالفین کے حوصلے بلند ہو گئے (ایذا رسانی، تکلیف دہی اور بے ادبی میں نہایت سرگرم و مشغور مندرجہ ذیل لوگ ہیں)۔

۱۔ ابولہب، ۲۔ ابو جہل، ۳۔ عاصی بن ہشام، ۴۔ ولید بن عتبہ، ۵۔ شبیبہ بن ربعیہ، ۶۔ ابراہیم الخجری وغیرہ، ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کی طرف ہجرت فرمائی۔ ایک ہمینہ سکونت فرمائی۔ بنی ثقیف کو دعوت دی بدبختوں نے انکار کر دیا برعکس بہت سخت تکلیفیں، اذیتیں دیں حتیٰ کہ پنھراؤ سے آپ کے نعلین مبارک (قدم مبارک) لہو و لہان زخمی کر دیئے گئے جس پر اظہر مضمحل ہو گیا لیکن ۵

وہ وانا سے قبل، مولائے کائنات ختم المرسلین جس نے

خبار راہ کو بخشا، فروغ و واہی سینا!

نگاہ عشق و مستی میں وہی اولیٰ وہی آخر

وہی قرآن وہی فرقان وہی یاسین وہی طہ! (اقبال)

سراپا رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کیفیت و کم کی حالت میں فرمایا

”اے نبی! انھیں بصیرت دے تاکہ مجھ اپنے ”حسن و کریم“ کو پہچان لیں۔

۵۔ اک نظر! اے شہ و پیشان مدینہ والے

کہ ہر اک درد کا درماں، تیری ذاتِ کریم !  
 آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۱ھ میں عرب قبائل  
 اشاعتِ اسلام کے سامنے وین حنیف کو پیش کیا کچھ سنے انکار کیا اور  
 بعض نے قبول کر لیا، ۱۲ھ میں مدینہ منورہ کے ۱۲۰ اشخاص نے اسلام قبول کیا۔  
 ۱۳ھ میں ۶۰ مردوں اور ۲ عورتوں نے اپنے آپ کو خدا پرستی اور نیکو کاری کے  
 سانچے میں ڈھال دیا۔ چنانچہ لمحہ بہ لمحہ اشاعتِ اسلام کو غیر معمولی فروغ ہونے  
 لگا، اور عام مقبولیت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

مہینہ رسالت کے نور و فیضان سے منور ہو چکا تھا،  
 ہجرتِ مدینہ لکھی لیکن ابھی مکہ مکرمہ میں بے سرو سامان بے مایہ اور  
 بے نوا مسلمانوں پر کفار مکہ جوہر و جفائز ستم کر رہے تھے اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ  
 والسلام نے بغیر اختیار ہی طور پر تمام رفقار و صحابہ کو ہجرت کا حکم صادر فرمایا، اور  
 وہ دانش مندی و حقیقہ تابیہ سے ہجرت کرنے لگے جب منکرینِ حق کو مومنین کے  
 اس قصد کے ارادہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے (نعوذ باللہ تعالیٰ) آن حضرت  
 صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا عہد کر لیا، لیکن آپ نے حضرت ابو بکر کی معیت  
 میں مکہ سے نکل کر غارِ ثور میں جا کر قیام فرمایا، قریش نے تلاش و جستجو کی اور سنانی  
 کو شمش کی لیکن نامراد رہے سو دن کے بعد آپ غار سے نکلے اور قبائش شریف  
 فرما ہوئے۔

قیام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند روز قیام فرمایا، وہاں مسجد  
 خطیبہ کا (اسلام کی اولین مسجد) بنیاد استوار کی وادی بنی سالم میں اپنے

نازاد افرمانی اور خطاب فرمایا۔ اس کے بعد مدینہ مراجعت فرما ہوئے۔

زمین محترم ہے آسمان محترم ہے

مدینے کا سارا جہاں محترم ہے

مدینہ

جہاں ظلم و استبداد کا رفرما ہو، انسانیت لڑ جاتی ہے اور عقل ماتم کرتی ہے

اس سرزمین سے ہجرت کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہوتا۔ ہاں اگر مادی قوت

ہو تو مکہ و فریب، اودھام پستی اور فرسودہ رسم و رواج کا مقابلہ جہاد سے کیا

جاسکتا ہے، آی حضرت صلی اللہ وسلم مدینہ تشریف لے گئے اہل مدینہ سے

اہلاً و سہلاً مرحبا، خوش آمدید کہا آپ کی ہر قسم کی اعانت و مدد کی۔

یہ رشتہ بلند ملا، جس کو مل گیا!

ہر مذہبی کے واسطے وار و کس کہاں (غالب)

مدینہ میں جیت اہل ایمان کے قدم مضبوطی سے جم گئے تو یہودیوں کی

مذہب کے سینے بغض و حسد کی آگ سے بھر پک اٹھے۔ مدینہ کے منافقین

جس کا سر پرست عبداللہ بن ابی سلول تھا۔ شدتہ بدامان و چراغ پا ہوئے

لیکن پھر اس شرط پر عہد و پیمان ہو گیا کہ نہ یہود مسلمانوں کو تکلیف دیں گے

نہ مسلمان ان سے جنگ کریں گے۔

سوا برس مکمل آن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ولایتی و براہین سے

جہاد تبلیغ فرماتے رہے اپنے اعلیٰ اسوۂ حسنہ سے "تالیف

قلوب کرتے رہے لیکن اس کے بعد آپ مجبور نہ ہوئے کہ حمایت اسلام اور

دینی کے فروغ کے لیے جہاد جانہ انداز سے نہیں بلکہ ہر افغانہ طور پر قلوب

اعضائین تاکہ جو لوگ اسلام پر دست درازی، ریشہ دوانی اور عدوان و زیادتی کر رہے ہیں، ان کا سبب باب کیا جائے۔

تاکہ اللہ کی زمین امن و سلامتی، عدل و مساوات اور خیر و سعادت کا گوارہ

بن جائے۔

ما اچلک ما اکلک وما احنک

کتھے مر علی کتھے تیسری ثناء

گستاخ اکھیں کتھے جا اڑیاں!

غزوہ اس جنگ کو کہا جاتا ہے جس میں آلِ حضرت صلی اللہ  
**غزوات** علیہ وسلم نے شرکت فرمائی ہو۔ چنانچہ اہل باطل کے خلاف  
 علم جہاد بلند ہوا اس کے بعد کفر و اسلام میں جنگوں کا ایک سلسلہ پھڑ گیا، لیکن  
 کامیابی، فتح مندی کا سہرا، اسلام ہی کے سر پہ۔ غزوات کی مجموعی تعداد ۲۷ ہے  
 مشہور مندرجہ ذیل ہیں۔

غزوہ بدر کبریٰ ۲ھ ، غزوہ احزاب ۵ھ ، غزوہ خیبر ۶ھ

اور دوسرے غزوات ،

۴ھ میں آلِ حضرت پر فوراً صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انگشتری

**سلاطین** بنوائی جس پر محمد رسول اللہ، کندہ کر لیا گیا۔ آپ نے اپنے

عہد کے تمام امراء و سلاطین کے پاس دین اسلام کی دعوت کے گرامی نام لے

اور سالِ قرآن کے اور حسبِ ذیل بادشاہوں کے نام خطوط طرز و انداز فرمائے۔ قیصر

روم، کسریٰ فارس، شہد و مشن، شہد پھری، شہد مدبر، شہد حبشہ، شہد

شہر بکریں، شہر عمان، شہر میامہ وغیرہ سوائے عمان اور بکریں کے کوئی بھی ایمان  
و سلطان و میرا نہیں لایا۔

فتح مکہ ۵۸ھ میں ۱۰ ہزار مسلمانوں کا لشکر، کفار قریش کی ستم راہیوں جو دستاویزوں  
کے قلعہ کے قلعہ فتح کے لیے نکلا، حضرت خالد بن ولید مکہ کی بالائی جانب سے  
حملہ آور ہوئے۔ ۲۸ ذیحجہ انان قریش نے اپنی جان "لات و منات" کے پھیٹنے  
چڑھائی اور قتل ہوئے۔

انسانی تاریخ عالم کے ہر عہد، دور میں خیر و شر کے متقد و معز کے  
ظہور پذیر ہوئے ہیں اور جب بھی فاتح و غالب، جبر و استبداد  
کے پیکر اور آمر و حکمرانوں نے فتح و غلبہ، کمزوری، پس ماندہ ملکوں اور قوموں پر  
تسلط حاصل کیا ہے تو تاریخ کے اوراق پر ملا گواہ ہیں کہ انھوں نے اپنے ادکار و  
پندار اور نشہ اقتدار و حکومت میں بدست و مد ہوشی ہو کر غارت گری و  
خون ریزی، ظلم و کاست، کھلے بندوں تخریبی فتنہ و فساد اور اپنے ناپاک عوام  
پر کسی ملک گیری اور استعماریت کا خوب خوب مظاہرہ کیا ہے۔

لیکن سرور کائنات رنگ و لبو صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد  
سراپا لطفت و کرم، عجم بے پایاں رحمت عالم بن کر اعلان عام فرمایا کہ ہر  
جو میں کوئی امر بیت کا دلدادہ، صاحب حرص و آرزو شہنشاہ نہیں اور  
سرمایہ دار نہیں ہوں میں تو خاندان قریش کا ایک فرد ہوں جو عام انسانوں کے  
مانند عدل و مساوات کا علمبردار ہے لہذا تم مجھ سے کسی قسم کا خوف و اندیشہ  
نہ کہ وادہ سطنس رہو۔



(۱۰۰) سادہ مکہ مکرمہ کی آپ کی پاکیزہ بے دامن و اعلیٰ اخلاقی قدروں کی  
 حالی و جامع اپنی زندگی تھا اور سے لئے مشکل رہا ہے )  
 نہیں ہے خیر اس کا دنیا نے دولا سے  
 کوئی کہہ رہا تھا، یہ سچ حقائق سے " (عبد العزیز خالد)  
 جنگ اور جہاد میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پہلی ،  
**جہاد و غزوہ** جہاد خانہ کے کا نام ہے اور جہاد مدافعانہ جو ابی رو عمل  
 ہے "یہ سراسر آج کل کے مغربی متشرقین کی زخوی کا تو علم باطل ہے کہ اسلام کا  
 نظریہ حیات قوت و حیرت، تیر، و تنگ اور دشتہ و شجر کے ساتھ تلوار کے  
 زور سے پھیلا پھولا ہے، دراصل آپ کا خلق عظیم اور اسوۂ حسنہ وہ معجزہ تھا  
 اور وہ غیر معمولی مقناطیسی جاذبیت تھی جس نے حبش سے بلالؓ کو روم  
 سے صہیبؓ کو اور ایران سے سلمانؓ کو نیز ان قدسیہ کے علاوہ قبائلی اور اقوام  
 کے سربراہوں، حکمرانوں اور بادشاہوں مثلاً دمشق و شام، مصر و سوڈان  
 بحرین و عمان، حبشہ و ہیمہ اور روم و بصری و فارس میں سے صرف بحرین و  
 عمان کے سلاطین مشرف بہ اسلام ہوئے۔ تاہم ان حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے اپنی دعوت و تلقین کا ہمہ گیری تھی پرستی کا نظام حیات بھی عالم انسانیت  
 کے نمائندوں تک پہنچا دیا۔ یہ ہماری تاریخ آدمیت کی بہت بڑی بارہ نصیبی  
 بدبختی ہے کہ جو نظریہ زندگی، ضابطہ حیات اسلام نے دیا۔ وہ بادشاہوں  
 سربراہ داروں، امیروں، رئیسوں، فوجیوں و ڈپٹیوں، کارخانہ داروں اور  
 زمینداروں کے "مزاج نازک" کے راس نہیں آیا، اور متوسطہ طبقہ

غریب و نادار، مزدور و کاشت کار، ہاری، یتیم، بیوگان اور بے سر و سامان منظلیم  
طبقہ نے اس کا خیر مقدم اور استقبال کیا، بقول اقبال  
چیت قرآنِ خواجہ را پیغام مرگ  
چارہ ساز بندہ بے ساز و برگ!

۸۵۸ میں غزوہ حنین، غزوہ طائف اور غزوہ تبوک ۹ ھ میں واقع ہوئے

ہجرت کے بعد اہل بیت نے آخری فریضہ حج ادا فرمایا  
حجۃ الوداع مختلفہ ممالک علاقوں اور چند قبائل کے علاوہ آپ کے

ساتھ تقریباً ایک لاکھ چودہ ہزار مسلمانان عالم ساتھ تھے، اسلام کی اشاعت  
کی وسعت و ترقی کا اندازہ اسی سے بخوبی ہو سکتا ہے۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پر خندہ زن  
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جا گا

”جاہلیت کے تمام رسوم و رواج  
آخری خطبہ حجۃ الوداع کا خلاصہ جو تمہارے آبا و اجداد میں رائج

تھے وہ آج سے ختم کیے جاتے ہیں، تم کو کتاب و سنت کی روشنی میں اپنی زندگی  
(انفرادی خواہ اجتماعی) بسر کرنا ہے، پیر آج میں نے تمہارے دین اسلام کو

سنبھل دیا ہے کہ دیا، اب کسی بھی نبی اور رسول جہلی و مقتدا، راہنما و پیشوا  
کی ہرگز ضرورت نہیں اور تمہیں کچھ گنجائش اگر یا بقول مرشدنا قدسی صاحب مدظلہ،

بڑھکے دغا سے مطلق نہ تھکان سے کام قدسی  
ختم دل دبا ہے جن نے وہی غم گسار ہو گا

پس میں تمہیں انصار اور ہاجرین (خطاب عام ہے تمام امتیانت سے)  
کو خیر خواہانہ و ہمدردانہ نصیحت کرتا ہوں کہ باہمی یگانگت و خلوص و محبت  
سے زندگی بسر کرنا۔

ہمیں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے نوح انساں کو

انحوت کی زباں ہو جا، محبت کا بیاں ہو جا

۱۱۰ ریح الاول کو طبع مبارک، ناساز بظاہری علالت،  
مادی مرض ہو گئی۔ دو شنبہ کے دن آپ کی نگاہ فیضانِ کرم  
مبارک اعلیٰ کی جانب توجہ فرما ہوئی۔

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ فز کے حجرہ مبارکہ میں جناب سرور کونین صلی اللہ  
علیہ وسلم کے احمد اور احد میں میم کا حجاب اٹھ گیا اور آپ کی رُوح اپنے رب  
کعبہ کے چہ نون میں جا پہنچی، اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے، زیادہ کیا عرض کروں۔

اللہم صلی وسلم علیہ و علی آلہ بقدر حسنہ و جمالہ

سہ جہاں عشق بھی سحر میں جہاں حسن بھی ہے نیاز میں

اسی بازگاہ جمال کا میں ہوں ایک ادنیٰ غلام بھی

انفقیر خطیبِ خانی کان اللہ



# حضرت امام جعفر صادقؑ

اس حقیقت سے انکار ناممکن ہے کہ اسلام، ایمان اور احسان (نصوف) کا سرچشمہ جناب رسول و جناب آل رسول ہے۔ کتاب اللہ قرآن حکیم اور سنت و اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عقیدت نیز ادب اور ایمان ہے۔

عین ثمرۃ ایمان، روضہ گل سریز جناب امام جعفر الصادق علیہ السلام کی تاریخ خانوادہ رسول کی

۱۴ ماہ پہچ الاول، ہجری ۱۔ مطابق ۲۲ مئی ۶۹۹ء سے تاہم نورین نے اختلاف ظاہر کیا ہے۔ تاریخ ولادت یہی ہے۔ آپ کے والد

العابدی، بن الحسین بن علی بن محمد ابی قاسم بن محمد بن ابی بکر ہیں۔

سیاہ، نازک اور گھونگرنے سے ابھری، ہونے

رے سرخی کے

گلابی قدر حضرت امام محمد باقر بن علی زین طالب ہیں اور آپ کی والدہ ماجدہ ام قمرہ ہیں۔ آپ کا قد و میانہ مائل بہ فریبی تھا۔ بالی بہت

تھے۔ ناک و ہالہ باریک، اس کی استخوان قدرے درمیان میں سر کے ہونے کے باوجود نہ تھے۔ رخسار پر خالی سیاہ، جسم مبارک پر دودھ

تھے۔ ریش پاک گھنی اور مدور تھی۔ لمبیں زیادہ لیتے تھے۔ رنگ گندم گوں تھا۔  
 ریش و بروت پر حناء ہندی کا خضاب کرتے تھے۔ آپ نفیس لباس زیب تن  
 فرماتے۔ خوش بو پسند فرماتے اور فرمایا کرتے تھے کہ زینت اور طیبات رزق  
 تو خدا نے بزرگ و برتر کی نعمت ہیں۔ خدا چاہتا ہے کہ جب میں اپنا فضل کسی  
 پر کروں اس کو چاہیے کہ وہ اس کو ظاہر کرے۔ چنانچہ حافظ نعیم صنعانی نے  
 حلیۃ الالیاء میں لکھا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام غریبا و مساکین کو اتنا  
 کھلاتے تھے کہ بسا اوقات ان کے خیالی کے لیے باقی نہیں رہتا تھا۔

حضرت سفیان ثوری کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہوا،  
 دیکھا کہ نہایت قیمتی عبا اور زرداوپنے ہوئے ہیں۔ میں تعجب سے ان کی طرف دیکھنے  
 لگا۔ آپ نے فرمایا کہ اے ثوری کیا دیکھتے ہو، شاید اس لباس سے تم کو تعجب ہوتا  
 ہے یا ابن رسول اللہ یہ لباس آپ کے لیے مناسب نہیں اور نہ یہ آپ کے آہاؤ و  
 اجداد کا لباس تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اے ثوری وہ زمانہ غربت و ناداری کا تھا اور  
 اس کے مطابق ہمارے بزرگ عمل کرتے تھے۔ اب زمانہ فراخی کا آگیا ہے اور ہر  
 ایک شے عمدہ ہو گئی ہے۔ پھر آپ نے اوپر کے جیبہ کو اٹھایا تو اندر نہایت معمولی  
 اور سخت لباس تھا۔ پھر فرمایا اے ثوری یہ اندر کا لباس ہم نے خدا کے لیے پہنا ہے  
 اس کو ہم نے خفیہ رکھا ہے جو تمہارے لیے تھا اس کو ہم نے ظاہر کیا۔

الغرض حضرت امام جعفر صادق و نفیس طبیعت خوش پوشاک امانت کے  
 رکھنے والے عبادت میں مشغول و حضور میں ہر وقت مشغول رہتے تھے۔ عزت و  
 خلوت کو پسند کرتے۔ شان و شوکت اور کرفر سے نفرت تھی و بحوالہ حلیۃ الالیاء  
 جلد ثالث صفحہ ۲۹۱۔

علامہ عبد الکریم شہرستانی اپنی کتاب الملل والنحل صفحہ ۵۳۱ مطبوعہ لیبیرسٹریک  
 میں امام موصیوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ امام جعفر صادق وین و حکمت میں کامل و کثیر  
 علم و فضل رکھتے تھے۔ زہد و تقویٰ میں بے مثال تھے۔ خواہشات نفسانی سے  
 پرہیزگاری حاصل تھا۔ مدت تک بدینہ منورہ میں رہے وہاں آپ کی تعلیم سے  
 آپ کے عقیدت مند مستفیض ہوئے تھے۔ آپ کے پاس بہت سے علوم  
 کے اسرار و رموز تھے۔ پھر آپ عراق تشریف لے آئے اور مدت تک وہاں رہے  
 آپ کو حکومت سے کچھ تعلق نہ تھا اور یہ خلافت سے کچھ سروکار تھا۔ کیوں کہ  
 جو حکمرانیت میں غرق ہو جاتا ہے اسے چھوٹے چھوٹے دریاؤں کے کنارے  
 کی پرداہ نہیں رہتی اور جو کنگرہ پر پہنچ جاتا ہے۔ اسے گرنے کا ڈر نہیں ہوتا،  
 یہ سچ کہا گیا ہے کہ جس نے خدا سے انس پکڑا تو وہ لوگوں سے وحشت کرنے لگتا  
 ہے اور جس نے بغیر خدا سے انس پکڑا اس کو وسوساں اور وہم غارت کر دیتا ہے۔  
 حضرت امام جعفر صادق کی صرف ایک پوری تھیں۔ جن کا نام فاطمہ  
 تھا جن کے بطن مبارک سے اسماعیل، عبد اللہ اور امام زوہ پیدا ہوئے باقی  
 ۵ لڑکے اور دو لڑکیاں حمیدہ بربرید اور ایک کنیز سے پیدا ہوئے۔  
 امام محمد وح نے تقریباً ۹۵ سال کی عمر میں حلت فرمائی، ائمہ اہل بیت  
 میں سے انہی عمر کسی نے نہیں پائی۔ یہ صورت عیاشی خلیفہ کے ہاتھوں انگڑوں  
 میں زہرے کر شہید کیے گئے اور حینۃ البقیع میں اپنے والد ماجد امام محمد باقر  
 کے پاس دفن ہوئے آپ کا سن وفات ۱۴۸ھ مطابق ۷۵۶ء ہے۔  
 آپ انگڑی بہنتا بھی پسند فرماتے تھے اور اللہ خالق کل شیء، انگڑی کا

خاص نفس ہو کر بنا، آپ کے خادم خاص مفضل بنی عمر اور محمد بن سنان ہیں، آپ کے  
شاہراہ بارگاہ الکلیت، الجیری، البیدی وغیرہ ہیں۔

حضرت امام محمد باقر سے روایت ہے کہ امام موسوف نے جابر الجعفی کو یہ  
وصیت فرمائی امام مدوح حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے والد گرامی تھے،  
اس لیے ہم آخر مقالہ میں ان کے وصایا اور ارشادات گرامی لکھتے ہیں، جب  
تمام لوگوں کے براہ کھنے سے توبہ سنجیدہ نہ ہو اور تمام لوگوں کے اچھلکنے سے  
تو مسرور نہ ہو تو بہارا دوست ہے مومن وہ ہے جو اپنے نفس سے مجاہدہ  
کرے اگر سچے کو جھٹلائی تو غصہ نہ کہ اگر تیزی خدمت کریں تو مت گھبرا مومن  
بتدا خدا سے ڈرے گا اتنی ہی ایسی کی بصیرت اور معرفت بڑھے گی اپنے ام کو  
خدا کی طرف تفویض کر کے راحت نفس حاصل کرو دنیا میں اپنی امیدیں کم رکھو  
کوئی شرف بلند ہمتی سے بہتر نہیں ہے۔ کوئی نعمت عافیت سے بہتر نہیں ہے۔

مطبوعہ "سناج"، کراچی

اپریل ۱۹۴۳ء



مطبوعہ "سناج"، کراچی

مطبوعہ "سناج"، کراچی

مطبوعہ "سناج"، کراچی

# ابن طفیل

ابو بکر محمد بن عبد الملک بن محمد بن محمد بن طفیل القیسی، گیارہویں صدی عیسوی کے اوائل میں غرناطہ شہر کے شمال مشرق کی طرف ایک چھوٹے سے گاؤں "واوی آتش" میں پیدا ہوئے۔ ان کی ولادت ابن رشد سے تقریباً پندرہ بیس سال قبل ۱۰۹۲ء اور ۱۰۹۳ء کے درمیان ہوئی۔ اُس دور کے علماء، حکماء اور فلاسفوں سے ابن طفیل نے خوب تعلیم حاصل کی، بالآخر انہی حکماء، اہل نظر میں ان کا شمار ہونے لگا۔

ابن طفیل اپنی وسعت مطالعہ اور ریاضی، طب، شاعری اور ہیئت میں بہر گیر معلومات، ذاتی مشاہدہ اور ادبی جہارت کے ساتھ ساتھ خاص اسلوب نگارش اور طرز بیان کے حامل تھے۔ لیکن افسوس ہے کہ مورخوں نے ان کے خاندانی حالات اور ذہنی نشوونما کا تذکرہ نہیں کیا۔ سان الدین ابن الخطیب نے اپنی کتاب "مرکز الاعطاب بادبار العرناطہ" اور مراکش نے اپنی کتاب "العجب فی تلخیص اخبار العرب" میں جس قدر ابن طفیل کے حالات زندگی



کھے ہیں۔ اگر ان دو کتابوں میں اس قدر اس کا ذکر نہ ہوتا تو ہم آج ابن طفیل کے بارے میں یقیناً بے خبر ہوتے۔ ابن طفیل کے اساتذہ کے بارے میں ابن الخطیب، المراكشي اور ابن خلكان کہتے ہیں کہ ابن طفیل نے ایک بڑے سگروہ علم و فلسفہ و حکمت سے علم حاصل کیا۔ جن میں سے ابو بکر صالح ابن باجر کے متعلق مشہور ہے کہ ان کے استاذ تھے لیکن ابن طفیل نے اپنی کتاب "حی بن یقظان" میں ابن باجر کے بارے میں صراحت کی ہے کہ "میری اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔" البتہ ابن باجر کے فضل و کمال کا بخوبی اعتراف کیا ہے۔ بہر صورت ابن طفیل ابن باجر کا شاگرد نہیں تھا۔

**کمال شہرت**  
تھوڑے ہی عرصہ میں ابن طفیل کی غیر معمولی شہرت غرناطہ کے گرد و نواح میں خوب پھیل گئی۔ چنانچہ کانزیری (CASIRI) کا کہنا ہے کہ ابن طفیل نے طب کی باقاعدہ تعلیم غرناطہ میں حاصل کی، المراكشي کے بیان کے مطابق وہ ابتداء میں غرناطہ کے حاکم "امین الامراء" (PRIVATE SECRETARY) کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ اس کے بعد طنجر (TAUGILY) کے حاکم ابو سعید کے ہاں "کاتم الامراء" کے اعلیٰ کے منصب پر مہتمن ہوئے، یہ ابو سعید موجود خاندان کے بانی عبد المؤمن بن علی کی اولاد میں سے تھے۔

ابن طفیل کے بخت و اقبال اور خوش نصیبی کا ستارہ اوج پر تھا، مقدر کی یاوری ہر کام تھی، زندگی کے آخری ایام میں اس کے تعلقات ابو یعقوب حاکم وقت سے استوار ہوئے۔ خوب دوستی ہوئی اور یہاں تک کہ ابن طفیل اس کا وزیر اور

معائنہ خاص مقرر ہوا۔

ابو یعقوب حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے باوجود، خاصاً سخن فہم، علم دوست

اور صاحب ذوق حاکم تھا۔ اس کا تفسیر، فقہ، فلسفہ اور حکمت کا مطالعہ وسیع

تھا، ابن طفیل سے ابو یعقوب کے تعلق خاطر کا سبب یہی علمی و ادبی مذاق نظر کی

ہم آہنگی تھی۔ چنانچہ ایک بار ابو یعقوب نے ابن طفیل سے کہا کہ میری رہنمائی ایک

ایسی جامع شخصیت کی طرف کیجئے جو ارسطو کی کتابوں، رسائل سے باخبر ہو اور

جو "الجہنیں" مجھے فلسفیانہ کتب کے مطالعہ اور غور و فکر کے دوران پیش آتی ہیں

اس شخصیت سے رجوع کر کے مطمئن ہو سکوں اور گتھیاں سلجھا سکوں۔ چنانچہ

ابن طفیل نے ابو یعقوب کی ابن رشد سے رہنمائی کرانی۔

خلیفہ ابو یعقوب سے ابن رشد کی ملاقات ۱۱۶۹ء میں ہوئی۔ غوثیہ

(GAUTHIER) نے بزرگم خویش ابن طفیل کی عمر اس وقت ۴۳ سال یا ۴۸ سال

بتلائی ہے۔ ابن طفیل خود بھی ابن رشد کے بچے تھے حاکم ابو یعقوب کو فلسفہ کے

مسائل اور دقیقہ سنجیاں سنجی سبھی سمجھا سکتا تھا۔ لیکن کاروبار حکومت، اہمہ وزارت

کی ذمہ داریاں اڑنے آتی تھیں۔ اس کے علاوہ سال خور و گی اور بڑھاپے کی وجہ سے

بھی کچھ معذور تھا۔ تاہم ابن طفیل وقت کے خلیفہ کا خاص مقرب، مشیر اور فلسفہ

اور حکمت میں نابغہ روزگار تھا۔

۱۱۸۲ء میں ابو یوسف نے ابن رشد کی عظیم شخصیت کو اہمیت دی اور

اسے اپنا طبیب خاص مقرر کیا۔ ابن طفیل وزارت کی کرسی سنبھالتے رہے اور

ابو یعقوب کی خدمت میں ہی رہے۔ یہاں تک کہ ابو یعقوب فرنگیوں سے لڑائی کرتے

ہوئے شہید ہو اور عقیقہ میں اپنے والد عبداللہ بن ابی قحطیبہ کے جوار میں دفن ہوا۔

اس کے بعد اس کا بیٹا ابو یوسف المنصور تخت حکومت پر بیٹھا، تب بھی ابن طفیل ان کی خدمت میں رہا۔ ابو یوسف بذات خود علم و حکمت میں متبحر و فاضل اور عادل حکمران تھا۔ اسے ابن طفیل سے انتہائی تعلق خاطر تھا اور ہمیشہ عزت و احترام سے پیش آتا تھا۔ آخر اس نے ۵۸۵ھ مطابق ۱۱۸۵ء میں مراکش میں وفات پائی۔ خلیفہ ابو یوسف کو ابن طفیل کی موت کا بے حد صدمہ پہنچا، اور خود اس کے جنازہ میں شریک ہوا۔

**ابن طفیل کے آثار** ابن طفیل جہاں حکمت و فلسفہ کے تمام اصناف کا مہر تھا، خوب بلا شعر کہتا تھا، لیکن ابن سینا کی شعر گوئی کے مقابلہ میں اس کے اشعار میں وہ دلآویزی، پختہ کاری اور پرگوئی ہمیں نہیں ملتی۔ اعلیٰ پائے کی شاعری کا جہاں تک تعلق ہے ہم اسے عظیم شاعروں کی فہرست میں شمار نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ابن طفیل نے شخصی قصائد اور اہل تصوف کے انذار و کلام سے باہر قدم نہیں رکھا، تاہم اس کے اشعار میں بلند خیالی، تنوع پسندی اور اہل طریقت کے زاویہ نگاہ کا ہمیں سراغ ملتا ہے۔ ہم اس کے زہد و تقشف کے نقطہ نظر کے حامل چند اشعار بطور نمونہ پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ ترجمہ:- ارے اتم اپنے دوستوں کی جدائی میں کیوں رورہے ہو؟  
(بھلا بلاؤ تو سہی اتم روح اور جسم کی جدائی پر کیوں نہیں روتے)

۲۔ ایک نور (روح) کچھ مدت تک خاک کے توشے (جسم) میں مقررہ معیار تک گھومتا پھرتا رہتا ہے۔ پھر کتناہ کش ہو کر اُس نے پرواز کی اور مٹی (جسم) کو تدفین و تکفین (موت) کے سپرد کر دیا۔ بدن کی روح سے بُدائی کا مرحلہ کس قدر کٹھن ہے۔

میں سمجھتا ہوں! کہ جسم اور روح کا تعلق اور نباہ "بدنی" پر استوار تھا اگر روح اور بدن کا یہ غیر اختیاری اور غیر معمولی تعلق باہمی، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا سے استوار نہیں ہوا؟ تو بہت افسوس ہے ایسی سوئے بازی پر اور کاروبار پر! جس کا ثمرہ ہمیں بجائے نفع کے نقصان رساں ثابت ہو۔

لسان الدین الخطیب، ابن الصبیحہ صاحب طبقات  
ابن طفیل اور طب

ابن طفیل اور "کلیات" نامی طبی کتاب کی تصنیف نیز اس کے ریال کے کتب خانہ میں ہمارے اور "کلیات" نامی طبی کتاب کی تصنیف نیز اس کے ریال کے کتب خانہ میں ایک تصدیق کا ذکر کیا ہے۔ جس میں مفردات ادویہ "الجزء فی الطب" کا تذکرہ کیا ہے۔ بہر حال ابن طفیل کی علمی غیر معمولی قابلیت اور فنی کامل دست گاہ اسی عہد کے مختلف علوم و فنون میں ایک عظیم الشان کارنامہ اور شاہکار ہے۔

ابن طفیل نے اپنی کتاب "حی بن یعقوب" کے ابتدائی صفحات میں جس انداز بیان سے چند فقرے لکھے ہیں۔ اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کو علم فلک میں بھی کافی مہارت اور قدرت حاصل تھی۔

ابن رشد نے اپنی کتاب "الہیات ارسطو" ۱۱ کی شرح میں لکھا ہے کہ اجرام

ساویہ کی ترکیب اور ان کی حرکات کے متعلق ابن طفیل کے نظریات نہایت مفید ہیں۔  
 علم فلسفہ کی فلسفیانہ موشگافیوں، باریک بینیوں  
**ابن طفیل اور فلسفہ** اور نکتہ آفرینی کا جہاں تک تعلق ہے یہی اس کی  
 صرف ایک مشہور کتاب "حی بن یقظان" تک رسائی ہوتی ہے۔ ممکن ہے اس  
 کتاب کے علاوہ بھی اس نے دوسری کوئی کتاب اس فن میں لکھی ہو، جو منصور کے  
 زمانہ میں دوسری علمی کتابوں کے ذخیرہ کے ساتھ تخریق ہو گئی ہو۔ چنانچہ  
 مراکش نے لکھا ہے کہ "مجھے ابن طفیل کی ایک کتاب "رسالۃ النفس" کا نسخہ ہانف  
 لگا ہے۔ ابن طفیل کی کتاب "حی بن یقظان" جو طبیعیات (PHYSICS)  
 کے موضوع پر ہے۔ جس میں نوع انسانی کی تخلیق کا مقصد اور اس کے فکر و عمل کا  
 تجزیہ بیان کیا ہے، چنانچہ لکھا ہے کہ

"میرا یہ عقیدہ اور نظریہ ہے کہ انسان اپنے ذاتی غرور و خودی سے محسوس سے  
 معقول تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ انسان میں جو معمولی صلاحیتیں ہیں  
 جب اس میں شعور اور ادراک بیدار ہوتا ہے تو وہ اپنی طبعی قوتوں سے کام  
 لے کر اس کا نشاۃ رنگ دبو اور اس کے خالق سبحان تعالیٰ کی معرفت بخوبی  
 حاصل کر لیتا ہے۔ معرفت کی مشہور دو قسمیں ہیں۔

(۱) معرفت حدسی (۲) معرفت نظری

نیز انسانی فکر کے ارتقاء سے اور ذوق و وجدان کی جلا سے، ریاضت  
 اور عبادت سے جو معرفت الہی کی بنیاد پر ہو، انسان انوار و تجلیات و ذی  
 کا، واردات معنوی و روحانی کا رچھٹہ بن سکتا ہے۔

اور وہ یہ  
 ہر چند ہو، مشاہدہ حق کی گفتگو  
 بنتی نہیں ہے باوہ و سخر کے بغیر (غالب)

کا مسداق نظر آتا ہے۔

ما حاصل یہ کہ ابن طفیل کے قصہ "حی بن یقطان" میں دوسرے فلسفیانہ  
 قصوں سے جداگانہ نوعیت کا ایک قدرتی طرز بیان، فکری و عملی زندگی جو حرکت  
 اور حرارت سے بھرپور ہو، نیز زندگی کے تلخ حقائق کا مردانہ وار مقابلہ اور جرأت  
 و اقدام کی باریک تفصیل ملتی ہے۔

اس کے علاوہ ابن طفیل کا خاص اسلوب، سہل بجاہرت اور ولی اور نیز  
 طرز نگارش اور ترتیب کے ساتھ ساتھ انسانی فکر کی تاریخ اور ارتقاء کا  
 خاص مواد موجود ہے۔ یہ کتاب فلسفہ کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ و جاوید رہے گی۔  
 اس قصہ "حی بن یقطان" کا فکری اثر ڈینیٹیل ڈیفور پر بھی غیر معمولی ہوا ہے، ہر  
 صورت ابن طفیل ایک عظیم فلسفی، شاعر، طبیب اور اپنے دور کے عبقری  
 اور نایفہ روزگار شخصیت تھے۔

(بہ تشکر بہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد)  
 (سندھ)



## ایوانقاہم شیطانی

قرآن حکیم کے فنِ تجوید و قرأت کی ہر قرن و ہر عہد اور ہر زبان میں اتنی خدمت ہوتی کہ اس پر غیر معمولی تعائیف کا شمار نہیں ہو سکتا۔ سلف صالحین نے جہاں قرآن حکیم کے مقدس سرچشمہ و رشید و ہدایت سے روحانی و ذہنی، معنوی اور ظاہری اور باطنی فیضان حاصل کیا ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔

فنِ تجوید بھی اس سلسلہ کی مبارک کڑی ہے۔ آج فنِ تجوید کی اہمیت بھی جب کہ مسلمانوں نے قرآن حکیم کے "جہانِ معنی" سے اپنی کم نصیبی سے مُنہ موڑ لیا ہے اور بجائے قرآن حکیم کی سورتوں، آیات اور معانی و مقاصد میں غور و فکر، تدبیر اور بصیرت کے حصول کے ذرائع خود پر بند کر رکھے ہیں۔ قرآن حکیم کی پاکیزہ تعلیمات، بے دامن احکامات اور اہم ارشادات کی روشنی میں زندگی بسر کرنا ترک دیا ہے اور عظمت، کردار و حریت، فکر، خودداری و عفتِ نفس اور قومی سطح پر جمیت و غیرت نیز احساسِ ذمہ داری کوئی اولیت و رسوائی کا بڑا سبب تارکِ قرآن ہونا ہے۔

موجودہ دور کے نام نہاد مسلمان، خدا پرستی اور نیک عملی کے سانسے میں ڈھلنے کے بجائے، مادیت پسندی اور لذت پرستی کو اپنی زندگی کا (MATE) نصب العین بنا چکے ہیں۔

یقین جانیے، کہ جب اپنے معاشرہ پر ایک طائرانہ نظر ڈھتی ہے تو دل طول اندھا نغ ماؤف ہوتا ہے کہ

اے کاشش کہ مرا ماورئ زاونے

ہم نام کے مسلمان وضع قطع میں نصاریٰ، تہذیب و تمدن میں یہود اور سکھوں کی طرح ہیں، یہودی ذہنیت کے حامل ہونے جا رہے ہیں۔

میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلمان ہو گیا

دونا اور ماتم تو یہ ہے کہ "ابلسیہ" سے بھی تہہ خراب و متبر لیس تان کر گھٹے بیچ کر سودا ہے، حق گوئی ویسے یا کی سے عاری، احسانی و مہربانی سے جی کو قرآن کی اصطلاح میں تقویٰ کہتے ہیں، کو را ہو چکے ہے اور اب جہاد فی سبیل اللہ کے سبب گویا "دین ملاق سبیل اللہ فساد" پر کرہ بستہ ہے۔ تصویر کے دور کے روح پرنگاہ ڈالنے تو "تہذیب کافر زد"، "مسطر" بھی

ظہر ہوشی اندرون چنگیز سے تاریک تر

کا مصداق نظر آتا ہے۔

تاہم ہمارے معاشرے میں ایسی شخصیتوں کی ہرگز کمی نہیں جو اپنے پہلو میں دل دردمند رکھتے اور آج بھی اس قحط الرجال کے دور میں قرآن حکیم کی عظمت اور شانِ اولیٰ کی خدمت کے شرف سے مشرف اور لائق صدا خرام ہیں۔



گر توحی خواہی مسلمان زبستہ

نیت ممکن جز بہ قرآن زبستی (اقبال)

حضرت امام ابوہاشم شاطبیؒ اندلسی کی شخصیت ہیں عشاق قرآن حکیم ہیں  
سرفہرست نظر آتی ہے۔ برصورت کافی قرأت و تجرید میں (تفسیر شاطبیہ) فی  
القرات البیح: حرز الامانی و وجہ اتھانی (قرآن حکیم کی عظیم خدمت کا عظیم شاہکار  
کا زمانہ اور شاہکار ہے۔

امام شاطبیؒ مصنفات اندلس کے گاہل شاطبیہ میں ۵۳۵ھ کو  
**ولادت** پیدا ہوئے۔ آپ نے قرأت و تجرید امام ابوالحسن علی بن بزیلیؒ  
سے اور انھوں نے حضرت سعید بن عثمانؒ سے مصنفت تبیر سے پڑھی نیز  
انھوں نے اپنے زمانے کے شیوخ کبار سے قرأت و تبیر پڑھیں۔ قرأت و تجرید  
کے علاوہ تفسیر و حدیث نیز فن شہادہ و تبیر کے علم میں بھی ماہر تھے۔ جب علوم  
مبتدولہ سے فراغت ہوئی تو ۵۴۵ھ میں مصر پہنچے۔ قاہرہ کے مدرسہ فاضلیہ  
میں شیخ القراء مقرر ہوئے۔ آپ نابینا تھے لیکن کمال درجہ کے ذہین اور فطیرو  
تھے۔ نیز عالم باعمل اور عارف حق تھے۔ امام شاطبیؒ کے قرآن سے شغف  
اور غیر معمولی حسی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ ان کے مشہور تفسیر و شاطبیہ (لامید)  
کے علاوہ گیارہ سو تہتر اشعار اور تصادد بھی لکھے۔ چنانچہ ایک ایک تفسیر  
ایک سو تہتر (۱۷۳) جو مشہور عثمانی کے رسم الخط میں ہے لکھا۔ اسی کے بعد  
دوسرا کھانوسے اشعار ہیں جن میں ۱۷۳ تجرید و قرأت کے موضوع پر معانی ہیں  
اعلیٰ علی، فنی مراد ہوئے۔ نیز تبیر مجموعہ اشعار ناظمہ الظاہر ہے جس پر

دو سو ستائیسے اشعار ہیں جو قصیدہ (والیہ) ہے جس کے پانچ سو اشعار ہیں جس میں ابن جندبہ کی تمہید کا خلاصہ کیا ہے۔ جو بارہ مجلدات میں ہے۔ فلولہ ذرہ۔ اگرچہ قرأت کو نظم کے پیرائے میں لکھنے کے موجب تو حضرت ابو الحسین مصری ہیں لیکن پوری قرأت سب سے کو اولاً آپ ہی نے نظم کیا۔ امام شاطبی کے دور میں اشد بہت سے ائمہ فن قرأت نے بکثرت قصیدے لکھے لیکن موصوف کے قصائد کی مقبولیت خدا داد ثابت ہوئی اور اہل فن نے ان کے قصیدے سے سرائی لکھوں پر لیے اور خوب خوب استفادہ کیا۔ "قصیدہ شاطبیہ" کی غیر معمولی مقبولیت اور پیرائی کا یہ عالم ہے کہ پچاس کے قریب شروح و حاشیے و تکیلے اس پر آج تک لکھے گئے ہیں۔

قصیدہ شاطبیہ کی خصوصیات  
۱۔ قصائد کے نظم کی عربی ادب و زبان کی حیثیت سے ان کی علمی و ذہنی سطح بہت بلند ہے۔

۲۔ مستعمل خاص اصطلاحات اور لفظی تجزیہ سے عام آدمی استفادہ نہیں کر سکتا۔

۳۔ اکثر وہ لغات استعمال کیے ہیں جو عموماً فن قرأت کی کتب میں نایاب ہیں۔

۴۔ "متن و قدیمیت" ایک ایک دو دو شعروں میں بیان کیے گئے ہیں۔

۵۔ بعض مقامات پر کلمات قرآنی کے تلفظ کو کافی سمجھ کر حرکات ضبط نہیں کیں۔

تاہم امام ابو القاسم شاطبی نے جس اچھوتے، خوب صورت اور بزرگوں انداز سے فن تجزیہ و قرأت کے مطالب و مضامین کو نظم کے من بخاوری اور پھیلے روپ میں ڈھالا ہے۔ یہ ان کا قرآن حکیم سے انتہائی عقیدت و محبت اور

عشق و حیات الہی کا کھلا ثبوت ہے اور ان کا قصیدہ شاطبیہ اپنی نظر کے لیے گل  
سرسید ہے اور کلدستہ خوش رنگ و خوش آہنگ ۔

۵۳ سال کی عمر طبعی پا کر ۲۸ جمادی الثانی ۱۰۵۹ھ بروز اتوار

**وفات** بعد نماز عصر قاہرہ (مصر) میں وفات پائی۔ عظیم ابو اسحاقؒ  
خطیب (جامع مسجد مصر) نے نماز جنازہ پڑھائی اور سو سو وار کے دن کوہِ مظلوم  
کے قرائد صغریٰ مقبرہ قاضی فاضلؒ میں دفن ہوئے۔ (رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ)

بحرانہ - ارشاد المرید، ۱۰۳۰ھ - شرح ملا علی قاریؒ

(مطبوعہ فیض الاسلام، مارچ ۱۰۳۰ھ)



# عبدالقدوس گنگوئی

شیخ عبدالقدوس گنگوئی درہم پور ضلع سلسلہ چشتیہ صابریہ کے اعلیٰ درجے کے  
 اکابر اور نامور صوفیوں سے ہیں۔ جن کا اسم گرامی سلسلے کی تاریخ کا ایک اعلیٰ عنوان  
 ہے۔ انھوں نے اسی سلسلے کے فز و نور ترقی میں جو جد و جہد کی اسی سلسلے کو کسی  
 طرح حیاتِ ہرزہ بخشی دیا اس کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ وہ اسی سلسلے کے جد و جہد  
 خود انھوں نے اپنے متعلق ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ "میں اسی سلسلہ دار ہوں  
 دیگر بخشیدم"۔

ان کی خانقاہ تقریباً چھتر (60) سال تک رشد و ہدایت کا گہوارہ رہی  
 جس سے ہزاروں انسانی سلوک و معرفت کی تربیت حاصل کر کے ملے اور  
 ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیل کر علم انسانیت کو بلند کیا۔ وہ اپنی تطبیقی  
 جد و جہد اور روحانی تصرف سے انسانی قلوب پر اثر انداز ہوتے اور بگڑے  
 ہوئے انسانوں کو صلاح و تقویٰ سے آراستہ کر کے معرفتِ الہی اور جہت  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی لکن ان میں پیدا کی۔



شیخ محمد اسماعیل کا زیادہ تر وقت درس و تدریس، ارشاد و تلقین اور عبادت  
الہی میں گزرتا تھا۔ ہر جمعہ کہ جامع مسجد میں باندی سے وعظ فرماتے۔ دنیا اور  
اہل دنیا سے آپ کو سروکار نہ تھا، فقیرانہ زندگی بسر فرماتے تھے۔

جب شیخ برصوف کی عمر اٹھتر (۷۸) سال کی ہوئی تو ایک روز اپنے چاٹری  
صاحبزادوں کو طلب کیا اور بہت دیر تک ان سب کو نصاب اور وصایا  
فرماتے رہے۔ پھر آپ نے تینوں صاحبزادگان کے سامنے اپنے بڑے صاحبزادے  
شیخ عبدالصمد کو خلافت عہد سجادگی سے سرفراز فرمایا اور تمام سلاسل میں خصوصاً  
سلسلہ نظامیہ میں بیعت کی اجازت دی اور اپنی جگہ مسنون ارشاد پڑھایا۔  
پھر اپنے صاحبزادے شیخ عبدالقادر سے فرمایا کہ تمہیں سلسلہ چشتیہ صاحبزادے  
سے فیض پہنچے گا۔

شیخ محمد اسماعیل نے روزہ چار شنبہ ۱۱۰۰ھ ربیع الاول ۱۱۶۰ھ کو وفات  
پائی۔ مدفون ملی میں آپ کا مزار حضرت شیخ صفی الدین کے مزار کے متصل جانب  
غرب واقع ہے۔

ادکار الابرار میں ہے کہ شیخ عبدالقادر س گنگوہی کی ولادت  
۱۱۶۰ھ میں بہلول ہی کے عہد میں ہوئی ہے۔ حضرت  
شیخ کی ابتدائی تعلیم و تربیت اور خیالات کے ارتقاء میں ان کے والد  
مابد حضرت شیخ محمد اسماعیل کا بڑا حصہ ہے۔

لحہ نسب نامہ کلہی از قاضی منظر الحق بعد اوی

صغیر سنی ہی سے آپ کے طلب علم اور شوق کا یہ عالم تھا کہ دن  
تعلیم رات حصول علم میں غرق رہتے تھے، زندگی کی ساری چیزیں  
کا مرکز صرف حصول علم اور ذوق عبادت تھا۔ آپ سارا دن پڑھتے تھے اور  
رات کو عبادت و ذکر الہی میں مصروف ہو جاتے تھے۔

شیخ کی جودت و طباطبائی اور غیر معمولی دلچسپی کو دیکھ کر آپ کے اساتذہ  
بھی آپ پر غیر معمولی شفقت فرماتے تھے۔

شکرِ تعلیم جب جذبہ عشق ربانی نے زندگی کی اصل حقیقتوں کو آپ پر  
ریشن کر دیا اور محبت الہی کی آگ سینے میں بھڑک اٹھی تو آپ  
نے تعلیم ظاہری کو چھوڑ کر اندر سے انقطاع کر کے خرقہ پوشی اختیار فرمائی  
اور ایک جذبہ کی کیفیت آپ پر طاری ہو گئی۔

جب آپ نے تعلیم کو چھوڑ دیا اور کتاب کو بچاڑ ڈالا تو آپ کی والدہ  
ماجدہ کو بے حد صدمہ ہوا۔ تمام تذکرہ نگار اس پر متفق ہیں کہ اگرچہ آپ نے  
سوائے ابتدائی کتابوں کے کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی اور آپ کی ساری عمر  
ریاضتوں اور عبادتوں میں گزری، لیکن علم باطنی کی طرح علم ظاہری میں بھی کیفیت  
یہ تھی کہ علمی مسائل میں آپ کے ارشادات پر اکابر علماء اور اہل کمالی کو آپ کے  
سامنے مجال دمزدلی نہ تھی۔

حضرت شیخ گنگوہی نے اگرچہ براہ راست فیض حضرت شیخ احمد  
بیہشتی عبدالحی درودی سے حاصل کیا تھا، لیکن مرید آپ ان کے  
پوتے حضرت شیخ محمد سے ہوئے۔ آپ پر تفرید و تجرید کا رنگ اس قدر غالب

تھا کہ آپ اس کو ٹاپس نہ فرماتے تھے کہ مال و متاع دنیاوی سے کوئی چیز گھر  
میں موجود رہے۔

**شیونج کی خدمت** ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ میری عمر کا بڑا حصہ پانی  
کھینچنے یا مٹی ڈھونڈنے، لکڑی کاٹنے، بچھاؤ دینے

اور ڈوسکر اسی قسم کے کاموں میں صرف ہوا ہے۔ میرے شیونج و اساتذہ نے  
میرے ہر کام کے لیے وقت مقرر کر دیا تھا، ان کا اسی سے مقصد یہ تھا کہ میرا  
کوئی بھی وقت بیکاری اور عفلت میں نہ گزے اور شیطان اور نفس کو بہکانے  
اور گمراہ کرنے کا موقع نہ ملے۔

**عبادت** میں آپ نماز اور ذکر الہی اور تلاوتِ کلام پاک سے  
بڑا شغف رکھتے تھے۔ آپ صائم الدہر تھے اور تمام رات  
ذکر با لہجہ میں گنہ گنہ جاتی تھی۔

**معیشت** حضرت شیخ حلال روزی حاصل کرنے کے لیے کھیتی باڑی  
کرتے تھے۔ جب ان کے کھیت میں غلہ تیار ہو جاتا تو سب  
سے پہلے اس میں سے فقرا کو دیتے پھر اس میں سے اپنی ضرورت کی حد تک  
رکھ لیتے۔

**خلافت** اور دلوانج کے بعد آپ کو شیخ حضرت محمد علیہ الرحمۃ نے خرقہ خلافت  
عطا فرمایا اور آپ نے مختلف طبقات کے مشائخ اور خانوادوں  
سے خلافت حاصل کی، جس کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ ملائف قدوسی ص ۱۲۱ ۲۔ عزیزۃ الاصفیاء ص ۱۲۱



شیخ عبدالقادر کس، شیخ محمد، شیخ عارف، شیخ احمد عبدالحق، شیخ جمال الدین  
 پانی پتی، شیخ شمس الدین ترک، شیخ علاء الدین، شیخ فرید الدین مسعود احمد صنی  
 خواجہ قطب الدین بختیار راشدی، خواجہ معین الدین حسن سنہری۔

۸۹۷ھ میں جب کہ ردولی کے حالات خراب ہو گئے۔ آپ اپنے

**ہجرت** وطن ردولی سے ہجرت کر کے شاہ آباد ضلع کرنال تشریف لے  
 آئے اور یہاں تقریباً ۸ سال تک ارشاد و تلقین اور اعلاء کلمۃ الحق میں

مصروف رہے۔ ۹۳۷ھ میں اپنے ایک مخلص مرید ملک محمد عثمان کرانی کے اصرار  
 اور بار بار کی استدعا پر گنگوہ تشریف فرما ہوئے۔ گنگوہ تشریف لاکر محلہ سرانے  
 میں مقیم ہوئے، اتفاق سے محلہ سرانے میں آگ لگ گئی۔ ہوا اتنی تیز تھی کہ آگ  
 تیزی سے پھیلتی گئی۔ بہت سے لوگ جل کر تباہ ہو گئے۔ بہت سے لوگوں کا سامان

ٹٹ گیا۔ یہاں تک کہ حضرت شیخ کے دست مبارک میں تسبیح و رومال تھما وہ بھی  
 جل گیا۔ آپ اس حادثے سے بے حد متاثر ہوئے۔ اسی رات آپ کو الہام ہوا  
 کہ اس قسم کے مصائب و حوادث پر تمہیں متاثر نہ ہونا چاہیے۔ ہم نے تم کو  
 قطبیت عطا کی ہے۔

**کشف و کرامت** کشف و کرامات بزرگی کی دلیل نہیں۔ اسی بنا پر  
 بعض بزرگوں کا یہ مقولہ آج بھی زبان زد ہے کہ

الاستقامۃ فوق الکرامۃ۔ لیکن اس حقیقت سے بھی انکار  
 نہیں کیا جاسکتا کہ خدائے بزرگ و بہتاپنے اولیاء کو اس نعمت سے بھی نوازا ہے

سہ خزینہ علاء صغیاء ص ۱۷۱

جو ان کی عظمت کو سمجھنے کے لیے نشانِ راہ کا کام دیتی ہے۔ حضرت شیخ عبد القادر  
گنگوہریؒ کی زندگی میں بھی ہمیں خرقی عادات کے واقعات ملتے ہیں جو واقعتاً  
کہ بات تھے۔ ان کے رادی، ان کے مرید، خلفاء اور بعض علماء متاخرین میں بھی  
کی صداقت و ثقاہت میں شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

ایک دفعہ حضرت شیخ موضع جھانچ پور میں تشریف لائے جو نواح پانی پت  
میں ہے۔ رات کے وقت آپ ذکر و شغل میں مصروف تھے، رات اُدھی سے  
زیادہ گور چکی تھی کہ آپ نے اچانک بلند آواز سے فرمایا: اے گاؤں والو جلد  
یہ جلد اس گاؤں کو چھوڑ دو اور اپنا سامان اور مویشی لے کر نکل جاؤ کہ یہاں  
آگ لگنے والی ہے۔ لیکر آپ کی بات پر کسی نے کوئی دھیانی نہیں دیا۔ تھوڑی  
دیر بعد اس گاؤں میں آگ لگی اور سب جل کر خاکستر ہو گئے۔

صوفی شیخ جعفر حضرت شیخ کے خاص خادموں میں سے تھے۔ ان کے جسم  
میں موت کی کیفیت پیدا ہو گئی کہ ہر وقت کہتے تھے کہ میں جلا جا رہا ہوں۔ ان کی موت میں  
کوئی شبہ باقی نہ تھا۔ حضرت شیخؒ کو ان کی حالت کی خبر ہوئی۔ فرمایا وہ تو ہمارا خادم ہے سیر فرما  
کر آپ نے پانی دیکھ کر کے انہیں پلو لیا اور زہا کے فضل و کرم سے انہوں نے شفا پائی۔  
علامہ اقبالؒ نے اپنی کتاب "اسلام میں مذہبی افکار کی تجدید" میں مترجم  
نہرو جی کے عظیم الشان واقعہ کی نسبت حضرت شیخؒ کے اس قول پر کہ "جو  
مصطفیٰ در قاب تو سین او ادنی رفت و باز گردید و اللہ بازہ گردیم" تبصرہ  
کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"یہ ایک بھرت بڑے صوفی مسلمان دلی اللہ حضرت شیخ عبد القادرؒ

گنگوہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ صرفیائے ادب کے سارے سرکائے ہیں  
 شاہد ہی کوئی اور ایسی مثال مل سکے۔ جس میں ایک مختصر سے جملے میں نبی اور  
 ولی کے فرق کو اس درجہ صاف اور واضح طریقے پر بیان کیا گیا ہو۔  
 حضرت شیخ مسک اہل سنت و الجماعت کے شدت سے پایتاد اور  
 فقہ حنفی کے پیرو تھے۔ اتباع سنت کا ہر حال میں خیال رکھتے تھے ہمیشہ  
 آپ کی یہ کوشش رہتی تھی کہ احکام شریعت و سنت نبوی کا پورا پورا خیال  
 رکھا جائے۔ یہاں تک کہ وجد و حال اور عالم جذب و مستی میں بھی احکام شریعت  
 آپ کے پیش نظر رہتے تھے۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہری نے رشد و ہدایت کی شرح ایسے زمانے میں  
 روشنی کی جب کہ زندگی شکر و دام میں تبدیل ہو رہی تھی۔ علماء و مسو و اپنے علم کو  
 دنیا کے حصول کا وسیلہ بنائے ہوئے تھے اور بہانہ و منزلت کے حصول  
 کے لیے اپنے علم کو امراء کے قصائد اور اپنی تھانینت کو ان کی مارچ کے لیے  
 وقف کر رہے تھے۔ (خلاصہ مکتوبات قدوسیہ ص ۹۱)

۱۵ جمادی الآخر ۹۲۲ھ میں دو شنبہ کے دن حضرت شیخ کو  
 وصال جاڑے کے ساتھ بخار آیا۔ چار روز تک سخت بخار رہا۔ پانچویں  
 روز جمعہ تھا۔ آپ جمعہ کے دن کچھ دیر سوئے۔ اس روز مزاج کچھ رو بہجت  
 تھا۔ پھر نماز جمعہ ادا فرمائی۔ نماز جمعہ کے بعد پھر آپ کو بخار شروع ہوا۔ چار  
 روز تک پھر بخار آتا رہا۔ آخر ۲۳ جمادی الآخر ۹۲۲ھ کو چاشت کے وقت  
 ۸۴ سال کی عمر میں آپ واصل الی اللہ ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

# مزار مبارک

آپ کا مزار مبارک قصبہ گنگوہ ضلع سہارن پور (یوپی) محلہ سرٹے میں آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

# شاعری

حضرت شیخ زاد کو قدرت کی جانب سے ایک والہانہ طبیعت عطا ہوئی تھی۔ آپ کے کلام میں بھرپور چاؤ، لذت، کیفیت، سادگی، دل نشینی، سوز و گداز اور اثر آفرینی ہے۔ قلابین کی روحانی بالیدگی، ذہنی تازگی نیز فیوض و برکات حاصل کرنے کے لیے ہم چند اشعار تمیناً درج کرتے ہیں۔

خوبیشتن را جلوہ کردی اندرین آئینرا	آئینہ آئینش نہادی خود با ظہار آمدی!
بنده قدوس گنگوہی خدارا خود شناس	ای نذا از خیب با اصرار می گوید بگو
دردیش در عبادت دائم بود و شب	دردیش نیست آنکہ بچسبد خورد و چو خورد
من تیر عشق خوردم من جاں بہد بکردم	من در امان عشقم، لے طالبان بدایت

# ملفوظات

حضرت شیخ زاد اپنے بڑے صاحبزادے شیخ حمید الدین کو علم و عمل کے فوائد پر ایک نہایت نصیحت آمیز اور اثر انگیز گرامی نامہ تحریر فرمایا تھا جسے ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

”اے فرزند۔ فرصت کو غنیمت جانو، اور دن رات علم کے حاصل کرنے میں انتہائی کوشش کرو کہ علم حاصل کرنے کا وقت یہی (عنوان شباب) ہے اور ہمیشہ طہارت، ادائے فرض و سنن میں خشوع و خضوع اور تعمیل ارکان کے ساتھ اس طریقے پر کہ جس طرح ہم کو صاحب شریعت نے تعلیم دی ہے لگے رہو کہ اس کام پر استقامت کرنے سے دو جہان کی سعادت اور دولت جاودانی اور بے شمار برکتیں اور رحمتیں حاصل ہوتی ہیں اور انھیں یہ

بھی جانتا چاہیے کہ مقصود علم سے عمل ہے کہ کل قیامت کے دن عمل کے  
متعلق پوچھا جائے گا نہ کہ کثرتِ علم کے متعلق، اور عمل کا مقصود اخلاص  
اور حق تعالیٰ کی محبت ہے۔

(زبدۃ المقامات ص ۱۰۰)



## سید وارث علی شاہ

دنیا میں ایسی نادر و نادر روزگار ہستیوں کا وجود شاہد اور ان کا ظہور عرصہ دراز کے بعد کسی معزز و ممتاز خاندان میں ہوتا ہے۔ جی کے چشمہ فیض سے ہزاروں مردہ دل سیراب ہو کر روحانی زندگی حاصل کرتے ہیں، سید وارث علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم شخصیت بھی ایک ایسی ہی ہستی تھی، سیدنا امام حسین علیہ السلام کی چھبیسویں پشت میں امام ابن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی نسل سے ہندوستان میں نیشاپور کے ایک خاندان سادات میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ابتدائی نشوونما کے بعد علم و عمل سے بہرہ ور ہو کر تمام عمر یہی کام کیا کہ خاص و عام کو محبت شاہد حقیقی کی ہدایت فرماتے رہے۔

دیوبند شریف ضلع بارہ بنکی مضافات بکھنوک کے ممتاز حضرات خاندان کے آپ کے نسبی اخواں اور خاندانی امتیاز کا پورا اعتراف ہے۔ مؤلفین سیرت وارثی "عیسایہ یقین"، "مشکوٰۃ حقانیر" اور "جلوۃ وارث" کا اس پر اتفاق ہے۔ حضرت کے جدِ امجد سید اشرف

ابوطالب علیہ الرحمۃ نیشاپور سے تقریباً ۶۵۷ھ میں تشریف لائے اور  
 قصبہ کنٹور ضلع بارہ بنکی میں اقامت پذیر ہوئے۔ وہ صحیح النسب سادات  
 کاظمی کے چشم و چراغ تھے۔ حضرت سید الشرف ابوطالب کی آنکھوں پر پشت  
 میں سید عبدالاحد علیہ الرحمۃ ۱۱۲۷ھ میں کنٹور قصبہ سے ولوہ شریف آئے۔  
 ابائیان قصبہ آپ کی تشریف آوری سے نہایت مسرور ہوئے۔ آپ کی  
 ذات پیرکات سے رشتہ و ہدایت کا فیض بھی جاری ہوا۔ ۱۱۵۱ھ میں سید  
 میراں احمد علیہ الرحمۃ ولوہ شریف میں پیدا ہوئے۔ ان کے صاحب زادے  
 سید کریم اللہ علیہ الرحمۃ تھے۔ جن کے تین صاحب زادے تھے۔ سید سلامت  
 علی، سید بشارت علی، سید شیر علی رحمہ اللہ تعالیٰ اجمعین، سید سلامت علی  
 علیہ الرحمۃ کے دو صاحب زادے ہوئے، سید خرم علی جن کی اولاد بریلی میں ہے  
 دوسرے کا اسم گرامی حضرت سید قربان علی شاہ علیہ الرحمۃ ہے۔ جو حضرت  
 حاجی سید وارث علی شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے والد بزرگوار تھے۔ جن کا عقد  
 اپنے حقیقی چچا حضرت سید شیر علی علیہ الرحمۃ کی صاحب زادی سیدہ بی بی سکینہ  
 عرف چند بی بی سے ہوا، جن کو خدا نے یہ شرف دیا کہ وہ حضرت سید وارث  
 علی شاہ کی والدہ ماجدہ ہوئیں۔

صاحب تحفہ الاصفیاء تحریر فرماتے ہیں کہ یکم رمضان المبارک  
 ولادت ۱۳۳۸ھ کو حضرت قبلہ پیدا ہوئے۔ تقریباً دو سال کی عمر  
 تھی کہ شفیع باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور اس دیرِ قیم کی تربیت آنکوش ماویہ  
 میں ہونے لگی۔ لیکن حق تعالیٰ کو یہ بھی منظور نہ ہوا۔ چنانچہ ابھی آپ تین سال

کے کہ یہ تعلیم بچہ آنکوشش مادر سے بھی محروم ہو گیا۔ اسی حادثہ جانی گاہ کے بعد حضرت کی جدہ مکرمہ سیدہ حیاۃ النساء بی بی نے پرورش و کفالت کی ذمہ داری قبول کی۔ آپ بچپن سے ہی عام بچوں سے بالکل جداگانہ عادات و اطوار کے حامل تھے۔

**تعلیم** شاہ فضل حسین وارثی صاحب کسرا مصرقہ کا بیان ہے کہ آپ کی وادی جان کی خواہش کے مطابق آپ کی تعلیم کا ذمہ آپ کے چچا کے سپرد ہوا۔ چنانچہ آپ نے اپنے چچا سے قرآنی تشریف پڑھنا شروع کیا اور اپنی خداداد ذہانت و قوت حافظہ سے دو سال کے اندر آپ حافظ قرآنی ہو گئے اور بعض ابتدائی کتابیں بھی اختتام کو پہنچیں۔

صاحب مشکوٰۃ حقایقہ کی مراحت کے مطابق آپ نے درسی کتب کی تعلیم مولوی امام علی ساکن قصبہ سترکہ ضلع بارہ بنکی سے حاصل کی۔ مولوی صاحب بحال احتیاط بغیر تشبیہ اور تشدد کے نہایت دل جوئی سے آپ کو پڑھاتے تھے۔ آپ کے حقیقی بہنوئی حضرت حاجی سید خادم علی شاہ آپ کو لکھنؤ لائے اور تعلیم کا سلسلہ بدستور قائم رکھا۔

آپ کی تعلیمی ترقی کے ساتھ آپ کا جذبہ شوق بڑھتا گیا اور حقیقی حقیقی کی والہانہ کیفیات میں اضافہ ہوتا گیا حتیٰ کہ قریب قریب ہر وقت وجد اور استغراق کی کیفیت رہنے لگی۔ طبیعت تنہائی پسند ہو گئی۔ اکثر غیر آباد مقامات میں آپ تمام شب ذکر و اشغال میں مصروف رہتے۔ حضرت حاجی سید خادم علی شاہ علیہ الرحمۃ نے مزاج کو فخر کی جانب زیادہ مائل دیکھا تو مشائخ کے طریقے



کے مطابق آپ کو سلسلہ قادریہ و چشتیہ میں داخل فرمایا۔ آپ کا سینہ جو حقائق و معارف  
انجمنہ تھا پیرزادہ طریقت کے فیضان سے اور پیرزادہ مصداق و جلا ہو گیا۔ فراق شاہد  
حقیقی کے ہر کلمی برداشت اثرات سے اضطرابی کیفیت بڑھ گئی۔ لگاتار  
بے قرار رہنے لگے۔

حضرت سید خادم علی شاہ کی وفات ۱۲۵۲ھ کو ہوئی۔ تیسرے  
روز رسم فاتحہ خوانی کے بعد مزیدی و معتقدین کے علاوہ ثلاثے دینی اور مشائخ  
ہوئے تو استاد ہندی کا مسئلہ درپیش تھا۔ پیرہ حضرت نوری گوالیہ کی  
اسی منصب جلیلہ کے لیے پچ کا نام تجویز فرمایا، اور دیگر مشائخ و قسب نے اس  
کے لیے اتفاق کیا۔

سید وارث علی شاہ نے بارہ سال تک (۱۲) عرب و عجم  
کی سیاحت فرمائی اور اس دور میں وہی مرتبہ حج  
سے مشرف ہوئے۔ واپسی کے بعد پھر ہندوستان سے سیاحت مرتبہ ادا کرنے  
کے لیے حجاز تشریف لے گئے۔

امام شرفانی علیہ الرحمۃ لباس کے بارے میں فرماتے ہیں :-  
درد پیشی کا بہترین شیم بہنا اشانہ ہے کہ باطن میں ہستی سے بچرید ہے۔  
سید وارث علی شاہ نے ۱۲۵۲ھ کے سفر حج و زیارت مدینہ منورہ میں  
ایک وقت اپنے قدیم لباس کے ہر حصہ کو خدائے لم یزل کی حجت میں ہمیشہ  
کے لیے ترک فرما دیا، آپ کا مسنگ صرف عشق تھا اور عشاق کی معراج کمال  
فناء الہی ہے۔ نیز اہل فنا کو خاک سے مناسبت ہے جس کا حقیقی رنگ نرد

جے۔ دنگ زد و آہ سرد و چشم تڑپا

حضرت دارت کا مشرب زاہدانہ، مسک ناشقان  
 موتے سرد و ز جس میں کبھی قینچی نہیں لگی، شتر

## خصائل و عادات

پایہ بند سیاحت کی، ابتلا دوست میں تحمل و صبر، ماسوائے یاد تمام عالم سے  
 دست بردار، توکل پر تکیہ، خدا پر بھروسا، تعلقات دنیا و اہل سے انقطاع  
 راضی بہ رضا عی حق، ہاتھ کے خالی، دل کے غنی، طبیعت غیور اور مزاج مستغنی  
 نمود و شہرت سے نفور، افعال و اثرات عشق محبوب حقیقی سے معمور، خلوص  
 کے ہم درو، یار و اختیار کے یکساں خیر خواہ، علم و بردباری کا پیکر، راست باڑی  
 بخشم، سراپا رشد و ہدایت، محبت کی تعلیم و تلقین، یہ ایسے مستحسن صفات ہیں جو  
 کا عکس آپ کے حالات و واقعات زندگی سے نمایاں ہے۔

استراحت و آرام فرمانے کے لیے آپ کا بستر بھی زاہدانہ  
 اور قلندرانہ تھا۔ آپ زمین پر کیلی بچھا کر آرام فرماتے تھے اور  
 دلہنے ہاتھ کو خم دے کر بجائے تکیہ سر کے نیچے رکھ لیتے تھے۔

## عام معمولات

آپ نے ۱۱ سال کی عمر سے لے کر زندگی بھر اپنی ذات کے لیے کوئی مکان نہیں  
 بنایا بلکہ ہمیشہ سیر و سیاحت فرمائی۔ اکثر فرمایا کرتے "ہم مسافر ہیں"  
 گھر پوچھنے کی بارے میں فرمایا کرتے "پوچھنے والے کا خیال مردان خدا  
 نہیں کرتے"

الغرض جملہ اسباب آرام و راحت سے آپ نے احتراز فرمایا حتیٰ  
 منا کحت اور منہ اہلا از زندگی جو ہر قسم کی عافیت کا مجموعہ ہے اس سے بھی آپ

کلیتہً احتراز کیا اور ہمیشہ غیر متاثر رہے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے کہ ہم ”لنگوٹ بند ہیں“ اور ”زن، زمین، زر میں جھگڑا ہے ان کو چھوڑے تو آنا دہو“۔ نیز فرماتے ”مجرد رہنا عزیمت ہے اور تامل کی بھی نصحت ہے۔“

سلف صالحین کے سوانح اور ملفوظات کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک تجر و عشق الہی کا لازمی نتیجہ ہے لیکن مخصوص طبائع کے لیے، ہر کس و ناکس کے لیے نہیں، ع

ہر بوسنا کے تداؤد جام و سداں بافتن

دوسرے الفاظ میں سے

ہر کرا باشد زیندواں کار و بار

بار آنجا یافت، بیرون شد ز کار

فرمایا: ”اسباب آرام و آسائش کے جھگڑے میں انسان

**ملفوظات** عہدِ میثاق کو بھول جاتا ہے، ”عاشقِ صادق کی تعریف یہ ہے کہ عاشقِ رُوح بلا نفس رہ جائے اور جب تک اُس میں نفس (نفسانی خواہشات) کا غلبہ ہے وہ عشقِ الہی کا مزہ نہیں چکھ سکتا۔“

فرمایا: ”تسلیم و رضائی بی فاطمہؑ اور حسین علیہم السلام کا حصہ ہے۔“

تسلیم و رضائی اہل بیت کے گھر کی بوٹھی ہے۔ ”ہمارا مشربِ عشق ہے جس میں انتظامِ حرام اور رضائے شاہدِ حقیقی کے آگے تسلیمِ خم کرنا فرضِ عین ہے۔“

فرمایا: ”جو قوم سے محبت کرے اس سے محبت کر، مگر کسی کے حق میں

دعا کرو نہ بددعا، اکثر فرمایا کرتے ”دعا اور بددعا کا نام مشربِ رضا و تسلیم کے

خلاف ہے، فرمایا۔ ”فقیر دوست کے لیے دعا کرتا ہے نہ دشمن کے واسطے  
 بار دعا۔“ اپنے غلامانِ خرقہ پوش کو ہدایت فرماتے کہ ”فقیر کو چاہیے گناہ اور تعویذ  
 نہ کرے،“ فرمایا ”ہم حقیقت کا ذمہ نجات ہے اور ”فرشتوں کو محبت برتری  
 دی گئی اور انسان کو محبت کامل مرحمت ہوئی“ نیز فرمایا ”جو محبت میں برباد  
 ہوا وہ حقیقت میں آباد ہوا۔“

فرمایا ”معتقوں کے سامنے عاشق ایسا بے اختیار ہو، جیسے غمناک  
 کے ہاتھ میں مردہ۔“

فرمایا ”عاشق کا وظیفہ ذکر یاد ہوتا ہے“ نیز ”بس کو اپنی خبر ہے وہ عشق  
 سے بے خبر ہے“ عشق (الہی) وہی ہے جو کسب سے نہیں حاصل ہوتا۔“

فرمایا ”مرجانا مگر سوال نہ کرنا“ ”توکل طمع کی ضد ہے۔“ ”توکل جیا کی  
 علامت ہے“ ”سات ناقول کے بعد بھی سوال نہ کرنا۔“ (حیات وارث ۲۱۹)

”وعدہ کرو تو ایثار کرو“ ”جو ہیں حرمان نصیب اور محروم رہنا“  
 ”وہا سد ہمیشہ ذلیل ہوتا ہے“ ”بعض رکھنے سے اپنا نقصان ہے کہ بعض کی  
 کثافت قلب کی لطافت کو خراب کرتی ہے“ ”انسان کو چاہیے کہ زمین کی

فاصیت اختیار کرے، کہ سب کا بوجھ اٹھائے اور اپنا بار کسی پر نہ ڈالے۔“  
 ”گناہی کو دوست رکھو اور شہرت سے بچو۔“ ”دو نفس آثارہ کے خلاف عمل

کرنا عبادت ہے۔“ ”رہ پیچھے تو صبر کرو، راحت پیچھے تو شکر کرو۔“



## شاہ لطیف بھٹائی

قرآن حکیم ایک مقدس کتاب ہے، سرچشمہ علم و عرفان ہے، بلاشبہ وحی الہی ہے جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کیم پر نازل ہوا جس کا مقصد و وجہ عالم انسانیت کے لیے ہدایت و فیضان ہے، قرآن حکیم مجموعہ ہے، الفاظ کا جس کے جاننے والے حفاظ کہلائے، مجموعہ ہے معانی کا جس کے جاننے والے علماء کہلائے ہیں، نیز قرآن حکیم مجموعہ ہے آثار کا جس کے حامل اولیاء اللہ کہلانے جاتے ہیں، دوسرے الفاظ میں حافظ قرآن، "صاحب لفظ" ہوتا ہے، عالم قرآن، "صاحب معنی" ہوتا ہے اور عالم قرآن، "صاحب اثر" ہوتا ہے۔

"اثر" کی دو قسمیں ہیں، سلی اور ایجابی نیز، "اثر" کا انحصار صحبت پر ہے اگر اختیار کی صحبت اختیار کی جائے گی تو خیر مرتب ہوگا، اس کے برعکس ہو تو شر مرتب ہوگا، کیوں کہ اصحیحہ مؤثر، صاحب اثر، یا صاحب نظر، ولی ہوتا ہے۔ یہ ممکن ہے ایک شخص حافظ بھی ہو، عالم بھی ہو اور ولی بھی ہو لیکن یہ ناممکن ہے کہ جو ذرا حافظ ہو

وہ ولی بھی ہو، کیوں کہ لفظ بغیر معنی کے بے کار ہے اور معنی بغیر اثر کے نادر الوجود۔  
 قرآن حکیم میں اولیاء الرحمن جی معانی میں آیا ہے اس سے مراد مروجہ اصطلاح اہل  
 تصوف نہ لی جائے کہ ولی ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جس سے غیر معمولی کراماتیں صادر  
 ہوں، بلکہ ولی اور عارف کامل سے ہماری مراد اور مفہوم ایسی شخصیت ہے جو خدا  
 پرستی اور نیکو کاری کے خوب صورت سانچے میں ڈھلی ہو اور اسلام، ایمان اور احسان  
 کے مرحلہ ہائے شوق کو سبزی طے کر کے "تخلّفوا باخلاق اللہ" کے رنگ میں رچی بسی  
 ہو، جس کی نگہ کی تیغ بازی سے ہمارے دل و نگاہ کا زاویہ بدل جائے اور جس کی خدا  
 دوستی، خدایطیبی اور خدا اعتمادی سے اور اس کی شرف صحبت سے اس کی شخصیت  
 کی خوشبوٹے خدا پسندی سے ہم اپنی اصلاح کر سکیں۔

آج ہم سرزمین سندھ کے حافظ قرآن، عالم معانی و معارف قرآن نیز صاحب  
 اثر، عارف کامل حضرت شاہ سید عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر خیر کر رہے  
 ہیں تاکہ ہم ان کی غیر معمولی اور عظیم شخصیت کی روشنی سے زندگی کی نمود میں ہمیں کام  
 لے سکیں اور زندگی میں جو فوقی سفر کا دوسرا نام ہے ہم شوق طلب میں آگے قدم  
 بڑھا سکیں۔

شاہ لطیف بھٹائی کا خاندانی سلسلہ یہ ہے کہ سید عبداللطیف بن سید  
 حبیب بن سید عبدالقدوس بن سید جمال بن سید عبدالکریم بلوچی والے، بعض مورخ  
 کہتے ہیں کہ شاہ صاحب سید عبدالکریم بلوچی والوں کے پوتے تھے، اور بعض کی  
 رائے ہے کہ پڑپوتے تھے، بہر صورت اس میں شک نہیں کہ شیخ سید عبدالکریم بلوچی  
 والے بزرگ، پرہیزگار اور متدین انسان تھے، مٹیاری، سے ہالہ میں تشریف لائے۔

حضرت مخدوم قنوج رحمۃ اللہ علیہ سے روحانی رابطہ خاصا استوار رہا، اس کے بعد  
بڑی کے مقام پر مستقل سکونت فرمائی۔

حضرت شاہ عبدالکریم (بلوچی) کے تین بیٹے تھے سید ولادت، سید واسع،  
اور شاہ جنیب، شاہ جنیب بڑے ہوئے تو اپنا آبائی گاؤں چھوڑ کر ہالہ  
تھیل میں مقام "وس" کے قریب و جوار میں آن کر آباد ہوئے، اور ان ہی کے نام سے  
یہ گاؤں مشہور ہوا، اب اس رستی کے کھنڈرات ہی دکھائی دیتے ہیں، یہاں ان کے  
گھر ۱۱۵۲ھ مطابق ۱۷۶۹ء میں ایک فرزند پیدا ہوا، جس کا نام تاجی سید عبداللطیف  
تجزیر کیا گیا۔ یہ بقول اہل سندھ "جانبندی جام" (پیداؤنشی طوبہ پر ہی وہ سرار تھے)  
ولادت سے لے کر عقوان شباب تک شاہ صاحب تغیر معمولی فوق الفطرت  
تصرفات و کرامات کے ہیں اور اسرار و رموز الہیہ کے حامل تھے۔

شاہ لطیف ابتداءً شغور ہی سے خلوت پسند کلم اکبر، اور دیر آشنا تھے۔ وہ  
عشق مولائے کریم میں ہمیشہ سرشار و مدہوش رہتے تھے، صحر کی بجائے سکر و جذب  
کا غلبہ رہا کرتا تھا اور کیف و مستی کے عالم میں رہا کرتے تھے، عشق الہی آپ کی گھٹی میں  
ادل سے پڑا ہوا تھا۔ طبیعت کی یہ بے قراری اور کرب اخصیں ایشیاء کی معرفت اور  
روحانی برادوں کے حل و کشائش میں سرگرم رکھتی اور آپ خدا کے بزرگ و برتر سے محبت  
کے سلسلے اس کی مخلوق سے محبت فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ ایک تاریخی حقیقت  
ہے کہ شاہ عبداللطیف جوانی کے عالم میں مرزا بیگ (مغل) کی صاحبزادی حسین  
دو سیزہ کی دلفنوں کے اسیر ہوئے، وہ تحصیل ہالہ میں ساکن گدی نھر کے کنارے  
رہتی تھی، شاہ صاحب کا یہ حجازی معاشقہ جو اک دن حسن حقیقت کی طلب گاری

اور وارفتگی کا پیش خیمہ تھا، دن دوئی رات چوڑی گئی تشرقی پرتھا، آخر شاہ صاحب کے ہاتھوں  
 میں تجویز آئی کہ اس وقت پر داز، خوب لہو، صحنہ کے والد مرزا بیگ سے اس کا  
 رشتہ طلب کیا جائے۔ چنانچہ رشتہ کیا گیا لیکن مرزا بیگ نے جو کلمہ دونوں کے  
 عہد سے قبل حکومت کرتا تھا، اپنے تہذیب اور ثروت پر گھنڈ کی بنا پر اس نے اس  
 رشتہ کو ناپسند کیا اور شاہ صاحب کی عسرت و آفتاب سے بھر پور زندہ گی پر اللہ  
 خندہ زن ہوا، اسی نے رشتہ استوار کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

یہ روایت مشہور زبان نہ دکھائی وہ عام ہے کہ شاہ صاحب نے سب کو  
 لب جوڑ کے کنارے سے ایک ریت کے ٹھیلے پر ڈیرہ ڈالی اور وہیں کچھ سروسہ طلب  
 سوز و سناٹے میں گزار دیے، کسی کو بھی اپنی اسرار الہیہ کی چیز نہ کہ نہ ہونے دے، البتہ ایک  
 گڈیبا جام بھی شاہ صاحب کی خدمت اقدس میں آیا یا کر تا اور خدمات بحال آنا  
 شاہ صاحب نے اپنی اسی ابتدائی دورہ کی ولادت اور کیفیت تفسیر کیے اشعار  
 میں اس انارٹ سے بیان کیا ہے کہ یہ تیش و روزہ میرے لیے جا بجا ثابت ہوئے  
 ہیں، میں نے سخن بگڑ پی کر اور سخن کے آسور و در و کر اس راہ عشق کی صورت پران اور  
 نکالینے کا مقابلہ کیا ہے، اس راہ حجت کی مشکلات، ابتداء عشق میں بہت بڑی  
 نظر آتی ہیں۔

لیکن اب میں ان مصائب و آلام کا جو کہہ رہا ہوں اور اب ایسا محسوس  
 ہوتا ہے گویا کہ یہ تو معمولی کانتے ہیں جن کی بچوں کا کوئی خاص احساس بھی نہیں ہوتا  
 جب تک مجھ میں سانس ہے میں اپنے محبوب کی طلب کاری اور جستجو سے باز نہیں  
 آؤں گا۔

Marfat.com



شاہ بھٹائی کے والدینا جدید حبیب شاہ صاحب نے انھیں سانگڑی نہر کے کنارے اسی ٹیلے سے جہاں شاہ صاحب نے قیام کیا تھا واپس لائے اور انھیں جو حالت جذب نہیں کر دو بخار سے اٹے ہوئے تھے غسل کرایا، اس اثنا میں شاہ صاحب سے پیر محمد علی فارق عادات کرامات صاویر پیش اور شاہ صاحب نے اپنی معنوی اولاد روحانی تصرفات سے مخلوق کی بے لوث خدمت کی۔ وہ کلمہ رومی کی سر بلندی کے لیے اس راہ خدا طلبی و حق پرستی کے مصائب و تکالیف سے دوچار ہونے کے باوجود ثابت قدم، صاحب استقامت اور اولی العزم رہے۔ وہ اپنی شان استغناء کی وجہ سے اہل دولت، اہل بیوس سے بے نیاز ہو کر اہل دل کے ذمہ لایحزبوں کے نائیب بن گئے اور حق تعالیٰ کے فیضان پہنچاتے رہے اور رشد و ہدایت کا یہ سرچشمہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے ہارنہ کلام "شاہ جو رسا" کے ذریعہ آہنوز جاری ہے۔

ہریان کی سرسبز و شاداب و وادی کے گل بہر سید شاہ لطیف بھٹائی کے اشعار، کافیل اور بیانیات کا یہ علمی تحفہ "شاہ جو رسا" کے نام سے مشہور ہے۔ موصوف کے خادم اور مرید خاص فقیر ترقی جو کاتب خاص بھی تھا، ان کا کلام تلمیذ کیسا ہے، فقیر ترقی کے علاوہ شاہ صاحب کے ایک اور تالیف شمس مزید سید بلال نامی بھی تھے۔ جنہیں انھوں نے اپنا متبنی بنایا تھا اور وہ ہمہ وقت آپ کی خدمت میں مشغول رہتے تھے۔ سید بلال بھٹائی شاہ سے دو میل کے فاصلے پر سانگڑی نہر کے کنارے رہا کرتے تھے۔ یاد ہے کہ شاہ صاحب لاوڑ تھے، جہاں شاہ صاحب کے حقائق و معارف سے بھرپور کلام، شاعری کے زور اور مقبولیت کا تعلق ہے

شاہ صاحب کے "شاہ جوہر سالو"، کی غیر معمولی مقبولیت اور ہر دل عزیز نے  
عوام و خواص کے دلوں کو سوز لیا، خصوصاً سرزمین سندھ کے عوام ہادی، کاشت کار  
زمیندار نیز علماء۔

اور اہل نظر کے علاوہ عوامی، علاقائی گیتوں کے روپ میں فن کاروں اور قوالوں  
نے اسے محافل سماج کے ذریعے زیادہ سے زیادہ پھیلایا۔

یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب کا عارفانہ اور درویشانہ کلام جس کا ہر بول  
محبت کے کیفیت اور عشق کی حلاوت میں ڈوبا ہوا ہے۔ دکھی دلوں کے درد کا  
مرہم ہے، خصوصاً مصافات سندھ کے ہرنیکے، بوڑھے اور جوان کو اترا ہے،  
یہاں تک کہ تھر پارک کے چولستانی علاقہ میں بکریاں چرانے والے گڈریوں، بھیتوں  
کے چرواہوں اور اونٹوں کے ساربانوں تک کو ان کا کلام یاد ہے اور انسانی قلوب  
پر پتھر کی بکیر بنا ہوا ہے۔

شاہ صاحب مدوح چونکہ لا ولد تھے اور آپ کی معنوی اولاد، مریدین و  
معتقدین کے سوا کوئی ظاہری اولاد نہ تھی اس لیے آپ کے بعد آپ کی خانقاہ کے  
سند نشین سید جمال شاہ کے خاندان سے ہوئے جو شاہ حبیب کے بھتیجے تھے۔

شاہ لطیف بھٹائی جب بھٹ میں اپنے مریدین و  
ایک مشہور کہ امت متوسلین کے ساتھ مستقل طور پر مقیم ہوئے تو  
آپ کے حلقہ کے فقراء اور درویش راگ لاپتے، طنبورے اور دیگر سازوں کے  
اپنی جمعیت خاطر کا سامان بہم پہنچاتے، ان راگ رنگ کی مجالس کا علم، نگر ٹھٹھ  
کے مفتی اعظم مخدوم معین الدین کو ہوا، (جو "مخدوم ٹھٹھارو کے نام سے مشہور تھے)

تو مخدوم ٹھٹھوی زحمت سفر باندھ کر حضرت شاہ صاحب کے آستانہ اقدس پر حاضر ہوئے کہ شاہ صاحب کو "سماح" سے (جس کا بنیادی عنصر موسیقی ہے جو بقول مولانا ابوالکلام آزاد شرعاً جائز اور قانوناً منع ہے، بحوالہ مکاتیب "عباد خاطر") روکیں یہ بات شاہ صاحب کو کشف سے معلوم ہو گئی تو انھوں نے اپنے مریدین سے فرمایا کہ مفتی مخدوم ٹھٹھارو، مگر ٹھٹھے سے فتویٰ داغنے آرہے ہیں لہذا سب مزامیر، طنبوئے اور آلات موسیقی آپ نے محفل خانے سے اٹھوا کر ایک کمرے میں گھوا دیئے اور نالنگوا دیا۔ جب مخدوم ٹھٹھارو وہاں آئے تو انھوں نے اس کمرے میں سے سازوں کی آواز محسوس کی، پوچھا ساز کون بجا رہا ہے! شاہ صاحب نے فرمایا، "جب شکستہ دل اور ع

کے ککشتہ نشد از قبیلہ مانیت

قسم کے لوگ آپس میں باہم مل کر غم گساری کرتے ہیں تو تب لکڑیاں بھی آہ و نغاں کرتی ہیں "یا کریم یا کریم" اور جان کی رگیں بھی "تو ہی تو" کا ذکر کرتی ہیں۔ وہی آہ و فریاد کرتے ہیں جو کافی عرصہ جانی کے بعد آپس میں ملے ہوں، شکستہ دل اللہ تعالیٰ کے سچے عاشق ہیں جو شکایت کرتے ہیں مگر جن درد سے ان کے دل بھرے ہوئے ہیں اس کا اظہار نہیں کرتے وہ اپنے دل کا دھواں، بھاپ اور بھڑاس بھی نہیں نکالتے، محض سوز و عشق کے عالم میں اپنے مقصود کی طلب میں مشغول ہیں۔"

شاہ صاحب کے ان الفاظ نے مخدوم ٹھٹھارو کے دل پر ایک عجیب اثر ڈالا اور وہ شاہ صاحب کے مرید ہو گئے۔ مخدوم مجیب الدین ٹھٹھوی اور

شاہ صاحب تقریباً ۱۰۰ عمر تھے۔

جب شاہ لطیف صاحب جوان تھے تو آپ ٹھٹھہ جا کر مخدوم موصوف کا  
وختا سا کرتے تھے، شاہ صاحب اکثر سامی فقرا کا لباس زیب تن فرمایا کرتے  
اور پسند فرماتے۔

شاہ صاحب نے ۱۱۳۰ (تقریباً ۱۷۱۷) برس کی عمر میں وفات پائی، انا اللہ وانا الیہ  
راجعون۔ علائکہ آپ کسی مرض میں مبتلا نہیں ہوئے، تاہم آپ نے وصیت  
فرمائی کہ مجھے بھٹ میں دفن کیا جائے اور اسی گنبد والی مسجد کے قریب جس کی  
تعمیر شاہ صاحب نے خود اپنے ہاتھوں سے کی تھی آپ دفن ہوئے۔ سکھر  
کے مشہور حاکم رازی عیدنی نے غلام شاہ کلہوڑے کے حکم سے شاہ صاحب  
کا مقبرہ تیار کرایا، (۱۱۶۷ھ بمطابق ۱۷۵۴ء) دوسری قبریں آپ کے خاص خادم  
اور فقراء کی ہیں، اور آپ کے خاندان کی قبریں بھی آپ کے مزار مقدس کے  
قریب ہیں۔ خیر لوہر میرس کے لڑکے فقیر نے (جو شاہ صاحب کا خاص عقید  
اور مرید تھا) بھٹ شاہ میں ایک کنواں کھودوایا ہے اس کے بعد شاہ صاحب  
کے سجادہ نشینوں کے علاوہ سارے کے میروں اور رئیسوں نے فقراء اور  
زیارت کرنے والوں کے لیے رہائش گاہیں بنوائی ہیں۔

الغرض شاہ صاحب غیر معمولی خوبیوں اور بڑی صفات حمیدہ کے  
مالک تھے۔ آپ کا عارفانہ کلام انسانی زندگی کے لیے ایک مستقل پروگرام اور  
پیغام ہے جس میں انسانی اور اخلاقی قدروں کی تکمیل کرنے پر زور دیا گیا ہے۔  
چونکہ شاہ صاحب نظریہ وحدۃ الوجود کے قائل تھے اس لیے ان کا کلام

خدا پرستی اور نیکو کاری کے ساتھ ساتھ انسانیت دوستی کی بھی دعوت دیتا ہے اور ہر قسم کے مذہبی تعصب، تنگ نظری اور منافرت سے بلند و بالا ہے۔ ان کا کلام انسانوں سے باہمی خلوص و محبت نیز بھروسہ پر آمادہ کرتا ہے۔ نیز ان کے کلام اور پروگرام کا تعلق نہ کسی عارضی دور سے تھا نہ ہی کسی خاص حلقہ اثر سے متعلق تھا۔ بلکہ بقول ڈاکٹر ایچ۔ ٹی شوری "شاہ لطیف کا کلام اس قابل ہے کہ اس سے ہر شخص فائدہ اٹھائے۔"

لیکن اس کو کس ہے کہ شاہ صاحب کا کلام جس زبان سن سکیں ہیں۔ اسے اسی زبان کے جاننے والے تک شاہ صاحب کی تعلیمات اور ان کے عارفانہ کلام کی عظمتوں سے ابھی تک بے بہرہ ہیں۔ اب ہم آخر میں شاہ صاحب کے کچھ ملفوظات درج کرتے ہیں۔

دغا اور مکر و فریب سے دور  
**ملفوظات شاہ لطیف بھٹائی**  
 رہو، وگرنہ تم محض نام کے  
 مسلمان کہلاؤ گے۔ جھوٹ کبھی بھی نہ بھولو، اپنے دوستوں کے گھر بار امت  
 جاڈ کیوں کہ یہ ہلکا پن اور تمھاری عزت و وقار کے خلاف ہے۔ یہ پڑوسیوں  
 کے لیے بے محل گفت گو کا موقع بہم پہنچاتا ہے۔

یہ دنیا فانی ہے، بالآخر رب واحد ہی کی طرف لوٹنا ہے، اس لیے دنیا  
 کی عارضی لذتوں پر ریچھ کر تم آخرت کو فراموش نہ کرو، اس دنیا میں زبانی طور  
 پر ہر شخص تمہارا دوست کہلاتا ہے، لیکن اڑے وقت میں وہ ساتھ چھوڑ دیتا  
 ہے۔ کیونکہ اس زمانے میں خلوص اور قربانی کا مادہ لوگوں میں مفقود ہو گیا ہے۔

اگر تم چاہتے ہو کہ شہرت اور ناموری تڑک کر کے سُرخ رو اور کامیابی سے ہم کنار ہو کر اس دنیا سے سدھارو، تو خود غرضی اور بغض و کینہ سے اپنا دل پاک رکھو۔

دنیا میں زندہ رہو، جتنا وقت تمہیں ملتا ہے اسے ضائع مت کرو، بلکہ اپنے دینی اور دنیاوی فرائض بجالاؤ، گذرا ہوا وقت دوبارہ لوٹ کر نہیں آتا۔

اس لیے اپنا فرض وقت پر سرانجام دینے رہو، تاکہ پچھتاوے کے دن (روزِ حشر) تمہیں پچھتانا نہ پڑے، دعا اور عبادت اگر تم کثرت سے نہیں کر سکتے تو مختصری

ہی کر لیا کرو، یہ غفلت اچھی نہیں ہے، بُرے لوگوں کی صحبت سے کفارہ کتنی رہو، وگرنہ بُروں کی بُری عادتیں اپنا کر تم بھی ان ہی جیسے ہو جاؤ گے، مصائب و

آلام میں بلند جو صدمہ رہو اور صبر و بردباری سے کام لو، گھبرانے سے کام بگڑ جاتے ہیں۔ مصیبت زدہ کی وہی مدد کرتا ہے، جس میں جذبہ ایثار و قربانی

بھرا ہو اور بنی نوع انسان کی بے لوث خدمت کا مادہ رکھتا ہو وگرنہ عام طور پر سب لوگ اپنے ذاتی مفاد ہی کے لیے کوشاں ہیں۔

قضا و قدر کے سامنے انسان بے بس ہے، تقدیر کے آگے تدبیر بے کار ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو بھی عطا ہو اس پر راضی بہ رضا رہو، حسب و نسب اور

اپنی نسل پر فخر نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بھی فضیلت اور رتبہ جسے چاہے بخش دے وہ قادرِ مطلق اور غالبِ کل ہے۔



# مخدوم محمد جعفر بوبکانی

قرآن و حدیث و اجماع امت نیز قیاس کی روشنی میں اتنباط مسائل کا اصطلاحی نام فقہ ہے۔ فقہ فی الدین کی غیر معمولی اہمیت، نص قطعی سے ثابت ہے، حق سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے، طالعنتہ لیتفقہوا فی الدین (القرآن) سرور کائنات رنگ و بو صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، من یرو اللہ بہ خیراً یفقہ فی الدین (الحدیث) قوانین و احکام خداوندی کے اخذ و نفوذ کا، معرفت شرع کا نام فقہ ہے، فرض، واجب، مندوب، مکروہ، مباح اور مستحسن یہ خاص اصطلاحات ہیں جو تکلیف شرعی کے نظام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اہل فقہ استعمال کرتے ہیں۔

بقول علامہ محمد بن احمد نسفی فقہ اور شریعت کا علم ہی خیر کثیر و حکمت ہے۔  
سنہ ۱۰۰۰ھ میں فقہ و اصول فقہ کے فن میں مخدوم محمد جعفر بوبکانی (۱۲۷۱ھ) کی شہرت اور علمی و جاہلیت اہل فکر و نظر سے ڈھکی چھپی نہیں ہے، مخدوم بوبکانی (۱۲۷۱ھ) صوبہ سندھ کے موجودہ ضلع دادو کی ایک مردم خیز مشہور رستی بوبکانی کے باشندے

تھے۔ بوہک سندھ کے مشہور بزرگ قلندر شہباز کی خانقاہ سیوہ میں کے شمال میں چند  
 میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے، بوہک کی وجہ تسمیہ محمد عظیم بوہک کے جد اعلیٰ مخدوم  
 ابو بکر سے منسوب ہے، بوہک کے مخدوموں کا سلسلہ نسب حضرت سیدنا  
 عباسؓ سے جا کر ملتا ہے۔ اسی خانوادہ عباسیہ کے مخدوم محمد اکبریم المعروف  
 مخدوم میران بوبکانی کے صاحبزادے مخدوم جعفر بوبکانی ہیں، مخدوم میران  
 بوبکانی اپنی ذرات سے کہ انجمن تھے اور اپنے عہد کے ہم عصر علماء میں عبقری  
 اور نابغہ گیتی تھے۔ موصوف کے ارشد علامہ میں علامہ طاہر بن یوسف باتوی  
 سندھی اور مولانا محمد عثمان بی علی ثمیرہا پوری۔ ابو بکانی اور دیگر  
 شاگردوں کے علاوہ مشہور اہل علم و فضل ہیں۔ بزرگوار حسن بیگ لادخون بھی  
 مخدوم میران کے شاگرد عزیز بھی۔

تاریخ سندھ کے حوالے سے زہنتہ الخواطر کے فاضل مصنف رقم طراز  
 ہیں کہ "مخدوم محمد جعفر بوبکانی کے والد شیخ فاضل میران بن یعقوب التتوی  
 ثم بوبکانی عالم باعملی، عارف حق اور تدریس کے شائق تھے، اکثر لوگوں  
 نے ان کی علمی و قبح شخصیت سے خوب استفادہ کیا، ۱۹۱۰ء میں فوت  
 ہوئے، ان کی تاریخ وفات "علامتہ وارث الاتبیاء" سے نکلتی ہے۔ ٹھٹھہ  
 میں ان کی قبر ہے جو جیل مکی پر ہے۔"۔

مخدوم محمد جعفر بوبکانی نے ابتدائی اور ثانوی تعلیم اپنے والد مخدوم میران  
 بوبکانی رحمہ سے حاصل کی۔ اس کے علاوہ اپنے دور کے دیگر اکابر علماء و مشائخ سے

ٹھٹھہ میں فوت ہونے سے تتوی کہلائے۔ راہ فرہتہ الخواطر جلد ۴ ص ۳۰



بھی استفادہ کیا، محدود نہ صرف علوم شرقیہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے، اس کے علاوہ مختلف علوم و فنون مثلاً حکمت و فلسفہ طب و نجوم و جغرافیہ میں بھی ماہر تھے۔ لیکن زندگی کے آخری ایام میں انھوں نے پوری توجہ اور انہماک کتب حدیث و تصوف کے مطالعہ میں صرف کر دی۔

لطف کی بات ہے کہ تصوف کی کتابوں کے مطالعہ کے شغف کے ساتھ ساتھ امام ابن تیمیہ کی تحقیقات اور اصابت رائے سے خاصے متاثر ہوئے، مخدوم جعفر بوبکانی کی تصانیف سے اس امر کا ثبوت بخوبی ملتا ہے۔

مخدوم محمد جعفر بوبکانی کی سوانح کے بارے میں مفصل کوائف اور حالات یہیں دستیاب نہیں ہو سکے۔ تاہم ان کے ہم عصر تذکرہ نگاروں نے چند سطر پر لکھ کر معاصر باحث متاخرت کو بالائے طاق رکھ ہے۔ چنانچہ تاریخ السنہ کے مصنف سید محمد معصوم ابن سید صفائی بکھری نے چند سطور لکھی ہیں کہ "مخدوم جعفر کے ایک از علماء سند بودہ، از میرزا علی ترخان نقل می کردند کہ درین تالیفات بیرون شترانہ جز خہائے باغات کہ (شب) کار میگردند بردند۔۔۔۔۔" ۱۰۰

علی ہذا القیاس تذکرہ غوثیہ گلزار ابرار، و مقالات الشجر الابرار تحفہ الکرام کے مصنفین نے بھی چند سطور سے زیادہ مخدوم موصوفت کا مزید ذکر نہیں کیا، تاہم نزہتہ الخواطر کے مصنف نے مخدوم جعفر بوبکانی کے مشاہیر علماء سندھ میں ان کا جمالی تذکرہ کیا ہے اور یہی لائق اعتماد اور قابل وثوق حوالہ ہے۔ اس کے علاوہ تحفہ الکرام کے مصنف میر علی شیر قانع ٹھٹھوی (المتوفی ۱۲۰۳ھ) نے مخدوم جعفر بوبکانی کی شخصیت پر چند سطور تحریر کی ہیں کہ "المخدوم محمد جعفر

ابن المخدم میراں جامع الکمالات اور متبحر عالم تھے، نیز مخدم نوح صدیقی، سہروردی کے ہم عصر تھے۔

ایک بار مخدم نوح نے کہا، کہ میں نے اپنے رب کو اپنی ان دو آنکھوں سے دیکھا ہے؛ جو اباً مخدم جعفر نے بر ملا فرمایا، جناب نوح! آپ کو غلط نہی اور غلط نظری ہوئی ہے۔ یہ معنوی معاملہ یوں نہیں ہے، جب آپ یہ حال طاری ہو، تو اپنے خادم خاص سے فرمائیے کہ وہ آپ کی آنکھوں پر پٹی باندھ دے؛ اگر اس حالت میں رویت باری تعالیٰ سے آپ مشرف ہوں تو کوئی بات بھی ہے؛ وگرنہ یہ رویت کوئی معنی نہیں رکھتی۔

در اصل آپ نے بصارت سے نہیں، بصیرت سے اللہ نور السموات والارض کے انوار و تجلیات کی ایک ادنی جھلک اور جلوہ نہیں دیکھا ہے، مخدم نوح بالائی مخدم جعفر بوبکانی کے اس لاجواب، جواب سے مطمئن ہو گئے اور کہا: مخدم جعفر اس معاملے کی حقیقت سے اگر نقاب کشائی نہ کرتے تو نوح کا فریضہ سزا سے حضرت مخدم نوح بالائی کے سلسلہ سہروردیہ کے مشائخ کبار میں ہیں۔ موصوف نے ازبہ قواضح و انکسار مندرج بالا تاثرات کا اظہار فرمایا ہے، مخدم نوح کی وفات ۹۹۸ھ میں ہوئی حالانکہ سندھ میں مدفون ہوئے۔

حضرت مخدم جعفر بوبکانی کی جلالت شان اور علی عظمت نیز معارف تصوف و احسان سے ہمہ وجوہ آگہی کا یہ اعلیٰ ثبوت ہے، جہاں مخدم موصوف فقہ و حدیث میں بے عدیلی عالم تھے و بیگہ فتون کے علاوہ نیز نجات اور طلسمات میں بھی ہمارے

رکتے تھے۔

مخدوم جعفرؒ کی تصانیف کی تعداد خاصی ہے، اثنائتہ، (فی مرتبہ الحزانہ) عجلۃ الطالبین اور فتح الدارین خصوصاً اہل علم میں مشہور اور سدا اولیٰ ہیں۔ بسا اوقات ادب و شاعری کی سرسبز و شاداب وادی میں بھی سیر و تفریح کے لیے آن نکلتے، ایک شعر ناظرین "فکر و نظر" کی ضیافت طبع کے لیے عرض ہے۔

بہار طرہ دلدار طرہ رنگی داشت

کہ آہوان حسرم را بعید می آورد

مخدوم بو بکانیؒ صاحب نے بحوالہ "گلزار ابرار" احمدی عمر میں منطق و فلسفہ کی کتابیں تلف فرمادیں اور سفر و حضر میں اجبار العلوم، عوارف المعارف اور فصل الخطاب کتب تصوف کا مطالعہ فرمایا کرتے تھے، دوسرے الفاظ میں علم ہے ابن الکتاب اور عشق ہے ام الکتاب!

اور

خام بدم، پختہ نشدم، سو ختم!

مخدوم محمد جعفر بو بکانیؒ کی تصانیف مختلف علوم و فنون پر بہت ہیں، جن میں چند کا تذکرہ کرنا ناگزیر ہے۔

**تصانیف**

(۱) الصادق المنصف الحق بالدلائل التي هي بالتقديم احقرى واحق۔ (عربی) اس کتاب میں من گھڑت اور موضوعات پر قلم اٹھایا ہے، عوام بلکہ خواص تک میں جو روایات مشہور ہیں ان پر تبصرہ اور تعمیری تنقید فرمائی ہے۔ اہل تصوف کی

لے مقالات الشعراء ص ۱۵۲ تحقیق سید غلام الدین راشدی لکھی ہیں

کی بعض شخصیتوں پر بھی علی انداز سے اپنے مجتہدانہ زاویہ نگاہ سے تاثرات کا اظہار فرمایا ہے۔

(۲) حاصل النہج، (فارسی)، اس میں علم، معلم اور متعلم کے بارے میں تفصیلات ہیں، سن تالیف ۱۰۹۵ھ ہے۔

(۳) نہج التعلیم (عربی) اسی کے حوالہ جات مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی نے اپنی "بیاض ہاشمی" میں جا بجا دیے ہیں۔ اب نایاب ہے۔

(۴) عجالۃ الطالبا لیبیان (عربی) اہل بیتؑ اور صحابہ کرامؓ کے فضائل و مناقب پر مختلف فقہی مسائل پر مشتمل ہے۔ اور بعض محدثین کی آراء سے علمی سطح پر اختلاف کرتے ہوئے کچھ موضوعات (ذخیرۃ احادیث) کا تذکرہ کیا ہے۔

(۵) فتح الدارین (فارسی) اس میں فقرا اختیار و اضطراری کافرق اور فضیلتا بعضهم علی بعض فی المرزق، (القرآن) کی روشنی میں معاشی نکتہ نظر سے بحث کی گئی ہے۔

(۶) حل القعود (عربی فقہ)۔ یہ نسخہ نایاب ہے، اس کا حوالہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی نے اپنی کتاب العنایۃ فی الفرق بین المصریح والکنایۃ میں دیا ہے۔

(۷) المتانتہ فی مرۃ الخزانۃ (عربی) یہ کتاب قاضی حکن گجراتی کی خزانۃ الہدایات فی الفروع پر بحث و تجسس نیز تشریح پر جامع تصنیف ہے، جو مخدوم محمد جعفر یو بکانی کی فقہی بصیرت اور دینی حیثیت کا ادنیٰ ثبوت ہے۔ بقول مولانا خبذالحی ٹھٹھوی، فرنگی جلی، دو قاضی حکن گجراتی کی

خزائن الروایات فی الفروع - ہر قسم کے رطب و یابس مرویات و فقہی جزئیات  
کا مجموعہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مخدوم جعفر بلوچانی کی نگہ انتخاب نے اس کتاب کو اپنی تنقید  
کا ہدف بنایا، الحاصل سرزمین پاکستان کے جہاں دوسرے صوبوں، صوبہ سرحد،  
صوبہ بلوچستان و صوبہ پنجاب نے علماء و مشائخ پیدا کیے، صوبہ سندھ بھی باب  
الاسلام ہونے کی وجہ سے ذرخیزی کے علاوہ مردم خیزی کے لیے زمین شوریدہ  
ثابت نہیں ہوا۔

فلا تم ہو تو یہ مٹی بڑی ذرخیز ہے ساقی !  
مولائے کریم موجودہ قحط الرجال کے دور میں ہمیں اسوۃ ابراہیمی اور علاء  
حق و مشائخ اولیاء الرحمن کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں  
ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم  
ع۔ بر رسولان بلاغ یا شد و بس

(مطبوعہ روزنامہ جنگ، راولپنڈی)



## ابن درید بصری

**نام و کنیت** امام موصوف کی کنیت ابو بکر نام محمد بن حسن بن درید الازدی بصری ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد میں سے جو شخص اولاً اسلام لایا اس کا تعلق ان شتر افراد سے ہے جو مکان ہجرت کر کے حضرت عمرو بن العاصؓ کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچے تھے۔ انہی دنوں میں آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت ہوئی تھی۔ ابن اثیر نے اپنی تاریخ الکامل میں اس واقعے کو تفصیل سے لکھا ہے۔

**ولادت** خلیفہ معتصم بالله کے عہد میں امام ابن درید کی ولادت سرزمین عراق کے مشہور شہر بصرہ کے محلہ صالح میں ہوئی۔ انھوں نے وہیں نشوونما پائی اور تعلیم حاصل کی خصوصاً عربی ادب اور لغت نیز شعر و شاعری میں مشہور (بصرہ کے علماء کے علاوہ) علامہ ابو حاتم سجستانی نحوی سے خوب استفادہ کیا۔

ابن درید ان دنوں بصرہ میں مقیم تھے اور بلاشبہ وہ علوم و لغت نیز ادب عربی میں امام تھے۔ نیز علم عروض میں غیر معمولی ماہر تھے۔ نیز بڑے زاہد عباد گزار

اور پارسا تھے۔ یوں یہ ایک دینار بلاناغہ صدقہ کیا کرتے اور ہر ہفتے میں ایک ختم قرآن کیا کرتے تھے۔ ان کی تصنیفات بہت ہیں۔

امام ابن درید کے شیوخ میں شیخ ابوالفضل عباس بن فرج ربائشی نحوی تھے۔ جو عالم باعمل اور عارف حق شناس تھے۔ نیز امام ابن درید کے اساتذہ میں سے اصمعی، اشنادانی وغیرہ مشہور علماء تھے۔

جب امام ابن درید علوم و فنون سے فارغ ہوئے تو عمان کی طرف ہجرت کی اور وہیں بارہ سال مقیم رہے۔ پھر بصرہ واپس لوٹے وہاں کچھ عرصہ گزار کر ایران کی جانب اپنا رخسٹ سفر باندھا۔ چنانچہ نیشاپور پہنچ کر وہاں کے امیر عباس اسماعیل بن عبداللہ بن محمد بن میکال کی تعریف میں قصیدہ لکھا اور خلعتِ فاخرہ اور غیر معمولی مادی منفعت سے مالا مال ہوا۔ اس قصیدے کے اشعار کی تعداد دو سو انتیس ہے۔ اس قصیدے کی شرح فقیر ابی عبداللہ محمد نخعی نے لکھی ہے۔ اس کا ذکر ابوعلی بہیقی نے اپنی کتاب "النتف والطرف" میں کیا ہے۔

امام ابن درید نے کتاب الجہرہ امیر ابوالعباس کی فرمائش پر تصنیف کی اور اسے قصیدہ مقصورہ لکھنے پر دس ہزار درہم ملے۔ جب ابن میکال معزول ہو گیا تو امام ابن درید خلیج فارس سے ہجرت کر کے سرزمین عراق کے دار الخلافہ بغداد پہنچا۔ یہ مسئلہ کی بات ہے۔

بغداد میں ان کا قیام علی بن محمد خوارزمی کے پڑوس میں رہا اور خوارزمی نے ابن درید سے پڑا اچھا سلوک کیا۔ پھر خوارزمی کے ذریعے امام ابن درید کی رسائی خلیفہ

مقتدر باللہ کے دربار تک پہنچی۔ جو امام ابن درید کے علم و فضل سے خاصاً متاثر  
ہوا اور اسی کے لیے پچاس دینار ماہانہ وظیفہ مقرر کیا جو موصوف کی وفات تک ملتا  
رہا۔ ابن درید ادب عربی اور لغت کے امام نیز اپنے عہد کے شعراء کے کلام اور  
دواوین کے حافظ اور نقاد تھے۔

خطیب بغدادی کی رائے ہے کہ امام ابن درید سے زیادہ لغت عربی میں  
اور کسی کا مقام نہیں۔ اس دور کے ادیب اور شاعر ابن درید کے سامنے زانوئے  
تلمذ کرتے تھے۔

کچھ اہل علم باہمی تبادلہ خیالات کر رہے تھے کہ سیر و تفریح کے لیے عراق کے  
سرسبز شاداب خطے میں وہ کون سے مقامات ہیں جہاں جا کر دماغ کا عیش اور تفریح  
کا سامان بہم پہنچایا جائے۔ حسن اتفاق سے امام ابن درید بھی اس مذاکرہ میں موجود تھے۔  
کچھ لوگوں نے کہا۔ بہترین تفریح گاہ غوطہ دمشق ہے۔ دوسروں نے کہا بہترین  
سیر گاہ نہراہلہ ہے۔ ایک تیسرے گروہ نے کہا کہ نہیں نہیں سعد (سمرقند) کا مقام  
سب سے بہترین اور خوب صورت ہے۔ نیز بعض لوگوں نے کہا کہ نہروان سب سے  
اچھی جگہ ہے اور کچھ لوگوں نے کہا نہ بہار اور بلخ سب سے اچھی جگہ ہے۔ پھر ابن درید  
نے کہا یہ سیر گاہیں چشموں اور دریاؤں سے تعلق رکھتی ہیں، میں تم سے دریافت کرتا ہوں  
کہ دونوں کی تفریح گاہیں کہاں ہیں؟

سب نے جبران ہو کر کہا: اے ابی بکر! وہ کون سی ہیں اور کہاں ہیں؟ امام  
ابن درید نے کہا امام قتیبی کی کتاب عیون الاخبار، ابن داؤد کی کتاب الزہرہ،  
ابن ابی طاہر کی کتاب قلن المشائق۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ علوم و فنون واقعی



دل و دماغ کے لیے بہترین تفریح گاہیں ہیں۔

امام ابن درید کی جہاں تک علمی حیثیت اور عظیم شخصیت کا تعلق ہے وہ علم و ادب کے شائق اور سنجیدہ علمی و ادبی کتابوں کے خاصے رسیا تھے۔ وہ صاحبِ فضل و کمال ہونے کے باوجود علم و ادب کے ولدا وہ اور نئی نئی کتب کے بقول مثبتی

وَ خَيْرُ حَلِيسٍ فِي الزَّمَانِ كِتَابٌ

کا مصداق تھے۔

ابوطیب لغوی نے اپنی کتاب "مراتب النخوعین" میں امام ابن درید کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابن درید کی شخصیت اہل بصرہ میں عربی شعر و ادب کی روشنی میں ایک عظیم مبصر اور غیر معمولی فاضل اجل کی ہے۔ ابن درید کا سینہ لغت عربی کا گنجینہ ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ علماء میں سب سے زیادہ فن شاعری اور لغت عرب میں شہرت اور ضرب المثل کے طور پر ابن درید کا نام سرفہرست ہے۔

امام ابن درید کہتے ہیں کہ میں جیب بصرہ سے روانہ ہوا تو راستے میں ایک پرانی حویلی سے گزر رہا تھا، جسے گردش لیل و نہار نے خراب و خستہ کر دیا تھا اور وہ پرانے کھنڈرات کے رُوب میں نظر آتی تھی۔ چنانچہ میں نے اس کی دیوار پر یہ شعر لکھا

اصبحوا بعد جبيع فراقا

وكذا كل جبيع مفترقا

کچھ عرصے کے بعد یہاں سے گزر ہوا تو میں نے دیکھا کہ میرے شعر کے نیچے کسی

اور باذوق آدمی نے ایک اور شعر طمانک دیا ہے

فحكوا والدا هر عنهم صحت ثم ابكاهم وما حين نطق

امام ابن دُرید متقدمین شعراء و ادب کے خاصے کلام کے حافظ  
**سیرت و کردار** تھے۔ حاضر جوابی اور گفتگو کے فن میں نیز علمی مناظرے  
 میں خاص ملکہ اور استعداد کامل رکھتے تھے۔ نیز علم معانی و بیان میں ماہر تھے۔ ذاتی طور  
 پر بڑے فراخ ظرف اور فیاض طبع تھے۔

امام ابن دُرید کے متعلق ایک مشہور واقعہ ہے کہ ان کے پاس ایک سائل آیا اور  
 اس نے دست سوال دراز کیا لیکن سوء اتفاق سے ان کے گھر میں سوائے ایک  
 سیرنبید کے اور کچھ نہیں تھا۔ ابن دُرید نے اپنے نوکر سے کہا کہ اس سائل کی جھولی  
 بھر دو۔ نوکر نے کہا کہ میں کیا کر سکتا ہوں، گھر میں تو کوئی چیز انہی قسم خورد و نوش موجود  
 نہیں ہے۔ امام موصوف نے نوکر کے جواب میں یہ قرآنی آیت تلاوت کی۔ لَسْ  
 تَسْأَلُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِنْهُمَا تُحِبُّونَ، یہاں تک کہ غروب  
 آفتاب سے قبل ان کے پاس دس سیرنبید جمع ہو گیا۔ چنانچہ ابن دُرید نے اپنے  
 نوکر سے کہا کہ میں نے ایک سیرنبید کا صدقہ کیا تھا، قدرت نے مجھے دس سیر  
 نبید سے نوازا۔

ابن دُرید کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ وہ کثرت سے شراب نوشی  
 کیا کرتا تھا اور اکثر اسے نشہ کی حالت دیکھا گیا یہ تسلیم کہ اس کی یہ خے نوشی  
 کی عادت معایب میں سے ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کی علم و ادب میں  
 شہرت اور فضیلت کے منافی نہیں ہے جیسا کہ مشہور مقولہ ہے اُنْظُرْ  
 اِلَى مَا قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا مَنْ قَالَ۔ نیز شریف لوگ کسی کی خامیاں اور  
 عیوب نہیں دیکھا کرتے بلکہ وہ ہر آدمی کی خوبیوں کو دیکھا کرتے ہیں۔ تاہم ہم

دعا گو ہیں کہ خداوند تعالیٰ ابن درید کے اس گناہ کو بخش دے۔  
 اس میں کوئی شک نہیں کہ امام موصوف علم و ادب کے بحرِ ثا پیداکنار  
 تھے۔ بصرہ، ایران اور بغداد کے بہت سے علماء اور اویسوں نے ان سے  
 علم سیکھا اور کثرت سے ان سے روایتیں کیں۔

ان کے مشہور شاگردوں میں سے علی بن حسین ابو الفرج اصبہانی صاحب  
 کتاب الاغانی ہیں اور مشہور غیر معمولی علم نحو میں جس میں اہل بصرہ کو ہارت کا دعویٰ  
 ہے۔ امام ابو یوسف سیرانی بھی ان کے شاگرد ہیں۔ ان کی بہت سی تصانیف  
 ہیں۔ انھوں نے علم لغت اپنے استاد ابن درید سے حاصل کیا۔ سیرانی نے  
 علم نحو کی مشہور کتاب سیبویہ کی شرح بھی لکھی ہے اور امام ابو علی اسماعیل بن  
 قاسم قالی بھی امام ابن درید کے مشہور تلامذہ ہیں سے ہیں جو کہ لغت ادب  
 کے مشہور ائمہ میں سے ہیں۔

امام ابن درید کی تصانیف مختلف علوم و فنون میں کثرت  
**تصانیف** سے ہیں، جو اہل علم میں مشہور ہیں۔ کتاب الجہرہ فی لغت  
 میں المجتہنی عربی ادب میں کتاب الامالی و کتاب السرح واللجام و کتاب  
 اشتقاق الاسماء و کتاب غریب القرآن (نامکمل) و کتاب القبائل و  
 کتاب الملاحن و کتاب المقتبس و کتاب المقصور والممدود و کتاب  
 الخلیل الکبیر و کتاب الخلیل الصغیرہ و کتاب الانوار و کتاب السراح و  
 کتاب ادب الکاتب و کتاب تقویم اللسان و کتاب المسطر و غیرہ۔  
 کتاب الجہرۃ کے متعلق صاحب کشف الظنون کہتے ہیں کہ یہ کتاب بڑی

معتبر، بہت ہی مفید اور علمی پائے کی ہے اور بلاشبہ علم لغت کا ایک عظیم شاہکار ہے۔ امام المسعودی اپنی کتاب مروج الذهب میں لکھتے ہیں کہ بغداد کے علماء لغت میں امام ابن درید کا مقام بہت اعلیٰ ہے اور یہ لغت کے علاوہ عرب کی شاعری میں بھی اعلیٰ مقام رکھتے ہیں اور معاصرین میں سب سے زیادہ علمی فضیلت رکھتے ہیں۔

جب امام ابن درید ۹ سال کی عمر تک پہنچے تو ان پر فالج کا حملہ ہوا لیکن کچھ عرصے بعد علاج کرانے سے خاصے تندرست ہو گئے اور اپنی سابقہ حالت پر پہنچے اور دوبارہ اپنے شاگردوں کو املا کرانی شروع کر دی اور انھیں تعلیم دینے لگے۔ کیونکہ صحت جو اب دے چکی تھی اور امام موصوف بہت ہی کمزور ہو گئے تھے، دوبارہ ایک سال کے بعد ان پر فالج حملہ ہوا اور ساتھ ہی ریشہ بھی ہوا جس سے ان کے ہاتھ پاؤں کا پتہ تھے اور کثرت

مشراب نوشی کی وجہ سے قدم لڑکھڑاتے تھے اور جب کبھی کوئی گھر میں داخل ہوتا تو مارے خوف کے گھبرا اٹھتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ سلیم العقول اور کامل الحفظ تھے اور ہر طالب علم کے سوال کا جواب تسلی بخش دیا کرتے تھے۔ ان کے شاگرد ابو علی اسماعیل بن قاسم کہتے ہیں کہ استاد ابن درید فالج کے حملے کے بعد دو سال تک زندہ رہے اور میں ان سے بھی علم لغت کے بارے میں شکوک و شبہات ظاہر کیا کرتا تھا اور اپنے علمی سوالات ان سے دریافت کیا کرتا تھا وہ اس کا مجھے تسفی بخش جواب

۱۔ کتاب المجتبیٰ للام ابی بکر محمد بن الحسن بن درید اللذی البصری المتوفی ۱۲۳ھ  
مطبوعہ مجلس دائرة المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۶۲ھ

دیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ میری موت کے بعد تم سرزمین عراق میں کوئی ایسا شخص نہیں پاؤ گے جس سے تم اپنی علمی تشنگی سے سیراب ہو سکو۔ اسی طرح ابو حاتم نجتانی اور اصمعی نے امام ابن درید کے بارے میں غیر معمولی تاثرات ظاہر کیے ہیں۔

لغت اور ادب کے امام ابن درید کی وفات بغداد میں بیدھ کے روز ۱۲ شعبان ۲۲۱ھ میں ہوئی اور بغداد کے مشہور عباسیہ قبرستان میں دفن ہوئے۔ جس دن ابن درید کی وفات ہوئی اسی دن ابی ہاشم عابد السلام بن علی الجبائی مشہور فلسفی کی بھی وفات ہوئی۔ بر ملا لوگوں نے کہا شروع کیا کہ آج کے دن لغت اور فلسفہ کی دو عظیم شخصتیں موت کے گھاٹ اتر گئیں۔

اب ہم آخر میں آخر میں امام ابن درید کی مشہور کتاب المجتبیٰ جسے دوروں بفظلوں میں ان کی بیاض خاص یا حاصل مطالعہ کہہ سکتے ہیں۔ کچھ اقوال نقل کرتے ہیں۔ المجتبیٰ میں امام موصوف نے آل حضور کے ارشادات، خلفائے راشدین اور مشاہیر کرام بزرگان دین کے اقوال نیز عربی ادب و زبان کی ضرب الامثال اور حکماء کے ملفوظات جمع کیے ہیں۔

## اقوال آل حضور صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ الشؤید من غلب نفسہ بہا مردہ ہے جو اپنی نفسانی خواہشات پر غلبہ پائے۔

۲۔ تاریخ ابن خلکان، معجم الادباء، لسان المیزان، مروج الذهب للسنووی، تاریخ مدینۃ السلام للخطیب البغدادی، مرآت الجنان للبیہقی۔

۲۔ اَلْمَجَالِسُ بِالْاِمَانَةِ

مجلسوں میں جس موضوع پر گفت و شنید ہو وہ گفتگو ایک امانت ہے۔

۳۔ تَرَكُ الشَّرِّ مَدَقَةٌ

بُرائی کا چھوڑنا بھی صدقہ ہے۔

۴۔ اَلشَّدَادُ تَوْبَةٌ

احساسِ ندامت اور شرمندگی گویا توبہ ہی ہے۔

## اقوال حضرت ابو بکر صدیق رضی

۱۔ دانش مند وہی ہے جو سستی ہو۔ (تقویٰ کے معنی قرآن کریم کی اصطلاح میں ذمہ داریوں کا احساس ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے ترجمان القرآن مولانا ابوالکلام

آزاد جلد دوم)

۲۔ جو شخص فسق و فجور کا مرتکب ہو وہ احمق ہے۔

## اقوال حضرت عمر فاروق رضی

۱۔ جو شخص زیادہ ہنسنا ہے اس کی بیعت اور رعب لوگوں پر کم ہو جاتا ہے اور جو شخص زیادہ تمسخر اور مزاح کرتا ہے اور وہ غیر سنجیدہ اور چھچھورا تصور کیا جاتا ہے۔ جو شخص زیادہ باتونی ہوتا ہے اس کی عقل کم ہوتی ہے اور جس کی عقل کم ہو اس میں جیا کم ہوتی ہے اور جس کی جیا کم ہو اس میں پرہیزگاری کم ہوتی ہے اور جس میں پرہیزگاری کم ہو اس کا دل مروہ ہو جاتا ہے۔

## اقوال حضرت عثمان رضی

۱۔ جو شخص خراس (اہل نظر) کی صحبت میں بیٹھتا ہے وہ عوامِ ہبلاء کی لالچی اور

بے پروہ گفت گو سے محفوظ رہتا ہے۔

۲۔ جو شخص اپنے دل کی حفاظت (ناپاک جذبات و احساسات سے) کرتا ہے وہ اپنی زبان کو بے پروہ گوئی سے محفوظ رکھتا ہے وہ ہمیشہ خوش رہتا ہے۔

## اقوال حضرت علیؓ

۱۔ سب سے زیادہ دولت مند شخص وہ ہے جو زیادہ عقل مند ہے۔ سب سے زیادہ تنگ دست اور مفلس وہ شخص ہے جو احمق ہو۔ سب سے زیادہ بدترین عادت جھوٹ، گھمنٹ اور غرور ہے۔ سب سے زیادہ خاندانی شرافت سے بڑھ کر خوبی حسن اخلاق ہے۔

۲۔ تم نادان کی دوستی سے کنارہ کشی اختیار کرو۔ کیونکہ وہ تمہیں نفع دینے کی بجائے نقصان دے گا۔ تم جھوٹے کی دوستی سے پرہیز کرو وہ تمہیں دور کی چیزیں نزدیک کر کے دکھائے گا اور نزدیک کی چیزیں تمہیں دور کر کے دکھائے گا۔ اور بخیل کی دوستی سے بھی دور رہو اور فاسق و فاجر کی دوستی سے بھی احتراز کرو۔ کیونکہ وہ تمہیں سستے داموں بیچ دے گا۔

## حکمائے عرب کے مختلف اقوال

قناعت کا نتیجہ راحت ہے اور تواضع کا ثمرہ حجت ہے۔ معاف کرنا عقل کی ذکوہ ہے، سخاوت اور دریا دلی عزت و آبرو کی محافظ ہے۔ عمل کرنے سے پہلے حسن تدبیر سے کام لینا انسان کو ندامت سے محفوظ رکھتا ہے۔ دولت، مندی کا

راز آرزوں کو محدود رکھنا ہے۔ "صبر" ایسی ڈھال ہے جو انسان کو فقر و فاقہ سے محفوظ رکھتی ہے۔

## اقوال فلاسفہ

۱۔ سرزمین یونان کے مشہور فلسفی سقراط کا قول ہے کہ عقل مند کے لیے یہ

مناسب ہے کہ وہ جب کسی جاہل سے گفتگو کرے تو اس انداز سے

بات چیت کرے کہ گویا کوئی طبیب مریض سے بات چیت کر رہا ہے۔

۲۔ فیثا خورش کا قول ہے کہ مخلوق خدا سے حسن سلوک سے پیش آنا

صفات خداوندی میں سے ہے۔

۳۔ سرسولورس کا قول ہے کہ کبھی تم نے لذت پرستی کے بارے میں بھی

غور کیا ہے؟ کہ لذت پرستی کے سانچے میں ڈھلی ہوئی بُرائی بظاہر کس قدر

خوب صورت ہوتی ہے، اس کا آغاز کیسا اچھا ہوتا ہے۔ لیکن اس کا انجام

کس قدر بُرا ہوتا ہے۔

۴۔ پلٹس کا قول ہے کہ اس تا جرم ذخیرہ اندوزی کی مثال ایسی ہے جو ہمیشہ

نفع بطور نے کی دُھن میں رہتا ہے، اس حیوان کی سی ہے جو گھاس

پھوس اور چارہ کھانے کے باوجود نہیں سیر ہوتا۔

۵۔ اورینڈس کا قول ہے کہ زندگی بغیر موسیقی کے دہشت کا دوسرا نام ہے۔

۶۔ انوٹرٹیسس کا قول ہے کہ انگور میں تین خوبیاں ہیں: پہلی یہ کہ وہ

خوش ذائقہ ہے۔ دوسری یہ کہ اس میں حلاوت اور مٹھاس ہے اور



- تیسری یہ کہ اس کے بھوک میں بھی شراب کی تلچھٹ کامزہ ہے۔
- ۷۔ ارسطو کا قول ہے کہ ادب اہل دولت کے لیے باعثِ ذہانت ہے اور فقرہ کے لیے باعثِ معیشت ہے۔
- ۸۔ پیروفتا خورش کا قول ہے کہ موت اپنے وطن میں ہو یا غریب لوطنی میں ہو، اس میں کوئی فرق نہیں ہے، اس لیے کہ آخرت کی طرف جانے کے لیے یہی ایک راستہ ہے جو تمام مقامات و احوال میں ایک ہی ہے۔
- ۹۔ دیو سٹیسیاس کا قول ہے کہ ادیب کے لیے مناسب ہے کہ وہ تمام علوم و فنون سے استفادہ کرے اور شہر کی مکھی کی طرح ہر طرح پھول کا رس چوسے۔
- ۱۰۔ ارسطو کا لیس کا قول ہے کہ مال و دولت کی حاجت سے کئی گنا بڑھ کر ہمیں عقل و شعور کی زیادہ حاجت ہے۔
- ۱۱۔ ایک بار دیو سٹیسیاس کلیدی نے ایک نہر کے کنارے ایک جھاڑی کو دیکھا جس کے ساتھ ساتھ پانی بہ رہا تھا اور اس کے بڑے بڑے تیز نوکیلے کانٹوں میں سے ایک کانٹے پر ایک سانپ بیٹھا ہوا تھا۔ کلیدی نے کہا کہ یہ منظر کس قدر کشتی میں ملاح کی سواری کے مشابہ ہے۔
- ۱۲۔ اسکندر اعظم سے کسی نے دریافت کیا کہ تم اس عظیم مملکت کے کیونکر شہنشاہ بنے، باوجودیکہ تم ابھی کس اور نو عمر ہو؟
- جواباً اسکندر نے کہا میں نے دشمنوں کے دل میں یہ اور انہیں اپنا دوست بنا لیا۔ میں نے اپنے دوستوں کا وقار کیا اور ان سے اچھا سلوک کیا۔ اس لیے میں اس مقام پر پہنچا۔

ایک مرتبہ سکندر اعظم نے ایک علاقے پر یورش کی تو مقابلے میں عورتوں کا ایک لشکر نبرد آزمائی کے لیے میدان میں اُتر آیا۔ لیکن سکندر نے جوابی حملہ کرنے سے انکار کر دیا اور عورتوں سے جنگ کرنے سے باز رہا۔ لوگوں نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا تم عورتوں کی فوج سے ڈر گئے یا گھبرا گئے۔

سکندر نے جواب دیا کہ بات یہ ہے کہ یہ ایک ایسا لشکر ہے کہ اگر ہم ان پر غالب ہو گئے تو ہمارے لیے کوئی خاص بات باعثِ فخر نہ ہوگی اور اگر یہ عورتوں کی فوج ہم پر غالب ہو گئی تو ہمارے لیے زندگی بھرِ فحشیت اور رسوائی کا باعث ہے۔

ایک فلسفی نے ایک بے ادب اور بد تہیز نوجوان کو دیکھا جس نے سونے کی انگلی بھین رکھی تھی تو اس نے یہ کہا۔ یہ نوجوان ایک ایسا درادگوش ہے جس کے منہ میں سونے کی لنگام ہے۔

(ہائینا الولیٰ حیدر آباد سندھ)



# حضرت شیخ رحمکار کا کا صا <sup>علیہ الرحمۃ</sup>

مغربی پاکستان کے صوبہ سرحد کے ان اولیاء الرحمن میں جن کی شہرت آفتاب آمد  
دلیل آفتاب کی مانند ہے اور جو خانوادہ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روشن  
چراغ ہیں۔ ایک بزرگ اور ممتاز شخصیت کے مالک قطبِ وقت شیخ کامل شہاد  
ربانی حضرت شیخ رحمکار کا کا صا علیہ الرحمۃ بھی ہیں۔

آپ کے آباء و اجداد میں حضرت سید آدم علیہ الرحمۃ علاقہ خوست میں رہتے تھے  
وفات کے بعد کہ پوغہ تحصیل کوہاٹ میں ان کی تدفین ہوئی، موصوف کا مزار مرجع خلافت  
ہے۔

ان کے صاحب زادے سید غالب صاحب وہاں سے علاقہ خورہ تحصیل نوشہہ  
ضلع پشاور میں قیام پذیر ہوئے اور انہی سید غالب کے پڑپوتے حضرت شیخ  
رحمکار کا کا صا صاحب ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب ۲۳ پشت پر حضرت شہید کریم و بلا  
امام عالی مقام سیدنا حسین سے جا کر ملتا ہے۔ آپ کے اجداد میں بعض حضرات

عراق اور مشرق بعض بخارا و سمرقند، بعض پشپین اور غزنی و خوست میں مدفون ہیں۔  
 نوزی صدی ہجری میں حضرت سید اوم علیہ الرحمۃ خوست کے علاقے سے نقل مکانی  
 فرما کر ہاٹ میں تشریف فرما ہوئے۔ موضع کہ بونہ میں مستقل سکونت پذیر ہوئے  
 اور یہیں رحلت فرمائی۔

آپ کے بیٹے سید غالب صاحب نے اپنے آبائی سلسلہ سہروردیہ کے  
 علاوہ سلسلہ چشتیہ میں بیعت کی۔ مدارج سلوک طے کیے اور مخلوق خدا کو اپنے  
 فیوض و برکات سے مالا مال کیا۔ تصدیق و بہ غلاۃ خودہ میں آپ کا مزار موجود ہے  
 ہزاروں لوگ حصول شرف زیارت کے لیے حاضر ہوا کرتے ہیں۔

حضرت سید غالب بابا کے بعد آپ کے صاحب زادے سید نادر مست بابا  
 صاحب سجادہ نشین ہوئے، پھر مست بابا صاحب کے فرزند ذول بند سید بہادر  
 صاحب "ابک" صاحب مسند فقہ ریٹھے اور مزاج فیضان و برکات ہوئے۔  
 حضرت سید بہادر بابا صاحب کے انتقال فرمانے کے بعد آپ کے صاحب زادے  
 حضرت شیخ المشائخ شیخ رحکار کا صاحب خلق خدا کے مربی و مرشد ہوئے، رحمہ اللہ تعالیٰ  
 حضرت کا کا صاحب کا نام "کستیر گل" ہے، عوام و خواص سے رحیمانہ برتاؤ  
 اور گرمیاء اخلاق کے سبب "رحکار گل" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

۲۰ شعبان کی رات کو ۱۹۸۳ء میں بروز جمعہ صبح صادق کے طلوع ہونے

کے وقت آپ اس جہان آب و گل میں تشریف لائے (مقالات قطبہ ص ۱۶۸)  
 آپ کو بچپن میں حضرت اخوند شیخ بنو نے اپنا عیب و بہن آپ کے گنہ میں ڈالا۔  
 پیار کیا اور سینہ سے لگایا اور دعا فرمائی، (مجمع البرکات)۔

ابتداءً محض ان شباب میں سختے جاڑے کے موسم میں تمام رات یا دو خدا میں مصروف  
 رہنے کے باوجود تہجد کی نماز کا وقت آجاتا تو ٹھنڈے اور بے بستر پانی سے وضو  
 تازہ کر کے نماز تہجد ادا فرماتے اور فرمایا کرتے:

ہمیں دُنیا سے کوئی سروکار نہیں اور میں دُنیا کو بالکل ترک کرتا ہوں۔

(مقالاتِ قطبیہ ص ۳۷)

آپ نے علوم ظاہر کی کتابیں عمدہ طبعیت میں پڑھی تھیں۔ ۱۳۱۳ و ۱۳۱۴ برس کی عمر  
 میں آپ تفسیر و حدیث اور دوسرے علوم و فنون ظاہری سے فارغ ہو چکے تھے  
 اور ان علوم و فنون میں آپ پورے ماہر یا کمال تھے۔ حضرت اخون دین صاحب  
 (اکوڑہ خٹک) آپ کے استاد ہیں۔

حضرت شیخ سید بہادر صاحب موجودہ قصبہ زیارت کا صاحب سے جناب  
 جنوب مغرب ۶ میل کے فاصلے پر جنگل میں مقیم تھے۔ حضرت شیخ رحمکاد کا صاحب  
 کی ولادت بھی اسی مقام پر ہوئی۔ ابتدائی زیادہ بچپن وہیں گزرا۔ حضرت شیخ بہادر  
 صاحب کے مزار کے قریب ان کے اصل مکان، مسجد کے کھنڈرات اور آثار  
 نیز بعض درخت اور وہ جنگلات اب تک بھی موجود ہیں۔ قصبہ زیارت کا صاحب  
 نوشہرہ ریلوے اسٹیشن سے ۶ میل کے فاصلے پر پہاڑیوں میں واقع ہے۔

کچھ عرصہ بعد مقام میلہ کے کوہساری سلسلے میں ایک چشمہ ہے اسی کے پاس  
 آکر آپ نے قیام فرمایا۔ ۱۳۰۵ھ میں بہار آتے ہوئے حوالہ ترک جہانگیری ص ۱۳۷ حضرت  
 شیخ رحمکاد صاحب کی ملاقات جہانگیر سے ہوئی جب جہانگیر ان ابتدائی ایام  
 میں پشاور آیا تھا۔ جہانگیر جس طرح دوسرے اولیاء کرام کی عزت کیا کرتا تھا۔ اس

نے حضرت موصوف کی بھی بڑی عزت کی اور نیا نمندانہ انداز سے ملا اور بار بار اصرار کر کے کہا آپ کو اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو طلب فرمائیے۔

آپ نے جواب میں فرمایا: ”مجھے غیر اللہ سے کچھ مانگتے ہوئے شرم آتی ہے“ اور مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ تاہم آپ کے بار بار انکار کے باوجود جہانگیر نے علاقہ خشک اور اتمان بلاق آپ کو جاگیر کے طور پر پیش کیا مگر آپ نے وہی جاگیر اپنے اپنے مرید خاص خوش حال خاں خشک کے والد ماجد سردار شہباز خاں کو دے دی اور خود اپنے لیے فقر و فاقہ اور گم شہ عزت پسند فرمایا۔

زیادہ رجوعات خلق کے سبب آپ نے ۱۶۳۳ء ۵۰ سال کی عمر میں باقاعدہ لشکر کا انتظام جاری کیا اور عوام و خواص سے دعوتِ تلقینی نیز روحانی فیضان عام کے لیے آپ نے تعلق استوار فرمایا۔

آپ کا طریقہ اویسی تھا۔ اویسی تربیت کے علاوہ آپ نے صرف والد ماجد کی بیعت کی ہے۔ دوسرے مشائخ کرام سے اگرچہ صحبت کی ہے لیکن بیعت اور فیضی اخذ نہیں کیا۔

آپ کے والد بزرگوار کا سلسلہ سہروردیہ تھا۔

”سہروردیہ“ بیعت کی طرح ایک مقام ہے جو سرزمین عراق میں ہمدان اور زنجان کے درمیان واقع ہے، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے منسوب ہے۔ حضرت شیخ زھکار صاحب، راست باز، صاف گو اور حنی پرست تھے۔

بلا ضرورت، گفتگو اور بے مقصد کاموں سے ہمیشہ احتراز رکھتے اور دودرت تھے، جب کبھی بات چیت ہوتی دین کی کوئی بات کرتے یا پھر خاموش رہتے تھے۔

اتباع سنت کے ولداوہ۔ حق و صداقت گوید اور حرص و ہوس سے کنارہ کشی تھی۔  
 آپ پر قسم کے اخلاق حمیدہ سے متصف تھے کسی ناپسندیدہ اخلاق کا آپ میں اثر  
 تک بھی نہ تھا۔ معرفت الہی آپ کو بکمال حاصل تھا۔ زہد و عبادت میں بے ریا تھے  
 راہ طریقت کی تمام منزلیں طے کر چکے تھے۔ (مقامات قطبیہ ص ۳۹)

پشتو زبان اور ادب کے مشہور شاعر خوش حال خاں ننگ حضرت شیخ رحمکار  
 صاحب کے مرید و معتقد بلکہ خصوصی خنقاہ کے زمرہ میں شامل تھے اور شیخ ممدوح  
 سے تعلق خاطر کی بنا پر افتخاروں کے سردار ہونے کے باوجود خوشحال خاں ننگ پرورش  
 مشرب اور خدا پرست تھے۔ (رد و کوثر ص ۴۳۴)

۲۴ رجب ۱۰۶۳ھ بروز جمعہ آپ کی وفات ہوئی۔ خوشحال خاں ننگ نے

قطعہ تاریخ وفات لکھا ہے۔

چوں رفت از جہاں شیخ دینی حکمار

چو تاریخ فوٹش بچتم ز غمتل !

آپ کے ۵ صاحبزادے تھے۔ ضیاء الدین شہید بابا، شیخ محمد گل حاجی بابا،

خلیل گل مزے بابا، شیخ بوہد الحکیم سپی بابا، نجم الدین جو بچپن میں فوت ہو گئے۔

حضرت شیخ سید رحمکار کا صاحب کی اولاد جو نجیب الطرفین سادات ہیں،

صوبہ سرحد میں کاکا خیل کہلاتی ہے اس خاندان سے مشہور سیاست دان سید

جعفر شاہ صاحب پشاور، مشہور عالم باعمل عارف ربانی، شیخ الہند مولانا محمود الحسن

دیوبندی علیہ الرحمۃ (اسیر اللٹاہ قید فرنگ) کے شاگرد حضرت مولانا سید محمد عزیز گل صاحب

مظلوم ہیں۔ موصوف زندگی بھر دین کی خدمت و دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپورہ۔ رائیبر

ضلع سورت مختلف عربی مدارس میں کرتے رہے ہیں۔

آپ کے دوست بھائی محترم مولانا سید عبدالحمید نافع گل صاحب بھی ہیں۔

بھی مدارس عربیہ، منظر العلوم کھڈہ۔ کراچی تا دمِ زیست دین نبوی کی خدمت کرتے

رہے ہیں اور کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ سید رحیم کار کا صاحب کے خاندان

سے پاکستان کے خواص علماء و عوام کو روحانی و دینی فیضان حاصل کرنے کی توفیق عطا

فرمائیں۔

(مطبوعہ، روزنامہ جنگ، راولپنڈی)





## شاہ سلیمان پھلواری

انسان مجموعہ ہے، جسم، عقل اور روح کا، ان میں سے ہر ایک کے کچھ تقاضے اور مطالبات ہیں، جسم انسانی کو تغذیہ اور حیاتیاتی اجزاء کی ضرورت ہے، عقل یا ذہن کو صحت مند اور توانا خیالات و احساسات کی حاجت ہے اور روح آدمیت کو ایک غیر مرئی قوت، قدرت کاملہ سے رابطہ استوار و مضبوط کرنے کی احتیاج ہے، تاکہ انسانی شخصیت کی تشکیل و تعمیر پختی و جود ہو سکے۔

اس کے علاوہ انسانی وجود اور اس کی ساخت و پرورش میں عناصر ترکیبی جمادات، حیوانات اور نباتات کا بھی دخل ہے، بعض اوقات ہمارے مشاہدہ میں آتا ہے کہ ایک انسان اپنی بے اعتدالی سے ذہنی مرین ہو کر جمود اور تعطل کا شکار ہو جاتا ہے، حالانکہ قدرت نے اسے غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا ہے، لیکن اپنی کج فہمی، اور کج روی کی بنا پر وہ جمود و تعطل کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے، یہ جمادات کا خاصہ ہے، کہ جمادات کے مانند ایسا انسان بے حس اور خود غرض ہو جاتا ہے، نیز انسانی جسم کی نشوونما نباتات کے مانند پودان چڑھتی ہے، وہ شگوفے کی طرح پھوٹتا،

پھل کی طرح پھلنا، اور پھول کی مثال پھولنا ہے اور زندگی کے مختلف مراحل طے کرتا  
 رہتا، پھول کی طرح کماتا ہے اور آخر میں مرجھا جاتا ہے، کل نفس ذالقت الموت۔  
 آدمی کے "حیوان ناطق" ہونے پر بھی کاتفاق ہے، اس کے حیوانی و طبیعی  
 تقاضے و حیوانی سطح پر زندگی بسر کرنے کا یہی مطالبہ ہے کہ وہ حیوانی یا جسمی جذبہ  
 سے تعمیر نو یا ناسل و توالد کا کام لیتا ہے، شریعت کی روشنی میں عقد و نکاح کے  
 ضابطے اسے انسانی شرف و غر سے ہم کنار کرتے ہیں، خلاف شرع، راستے زنا  
 اور وقتی ناجائز تعلقات اسے اعلیٰ انسانی سطح سے گرا کر اسفل السافلین کے  
 قدرت میں جا پھینکتے ہیں۔

جہاں تک انسانی روح کی معراج اور ارتقاء کا تعلق ہے تو اس حقیقت  
 سے انکار ناممکن ہے، کہ جسم، عرض ہے اور روح جوہر ہے اور انسان کے وجود  
 کا انحصار ذات و ہوالہی القیوم پر ہے، لہذا ان سے رابطہ اور تعلق  
 نیز ان کا ذکر ہی سکون خاطر اور طمینان قلب کا موجب ہے وگرنہ العصر  
 ان الانسان لفی خسر۔ عقل اور علم انسانی محدود، ناقص اور ناہکمل ہے، عقل  
 بے مایہ امامت اور قیادت کی سزاوار نہیں، عقل اگر شتر بے ہار ہے تو یہ  
 "شتر ابلیسی" کی آئینہ دار ہے، اور "ابلیسی عقل" ہی ہے جس کا مزاج خامی  
 تخریب، سلب و تہیب اور شرفقتہ انگیزی نیز خود غرضی، خود بینی، خود  
 پسندی اور خود رانی پر مبنی ہے، اسی سے کفر و نفاق کے سوتے پھوٹتے ہیں،  
 یہی سرچشمہ ضلالت و گمراہی ہے، البتہ اگر یہی عقل انسانی، عقل ابلیسی کا  
 روپلا اور بظاہر خوب صورت روپ دکھانے کی بجائے روشن یا بقول

علامہ اقبال وحی حق کے تابع ہو جائے تو یہی دانش برہانی، عقل انسانی، دانش تہذیبی کے خوب صورت پیکر ہیں شاہراہ حیات کو اپنی تابناکیاں بخشی ہے اور زندگی فلجینیہ چھوڑ کر "طیبہ" کا مصداق بن جاتی ہے اور مردوس کو زمرہ لائیکرز میں شرکت کا اعزاز مل جاتا ہے۔

یہ تمہید طویلانی ممکن ہے فارین "فکر و نظر" کے کچھ حساس طبائع کو ناگوار گزری ہو (جس کے لیے معذرت خواہ تصور کیا جائے) راقم الحروف کو بدو شعور سے شیر اختیار ی طویل پر ظاہری علوم و فنون کی تعلیم و تکمیل کے بعد اولیاء الرحمن اور بزرگان اہل تیز سے خاص حسن عقیدت و شغف نیز ارادت رہی ہے جب سے وہ خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہیے

یا

خام بدم پختہ شدم، سو ختم  
اپنی پختگی، سو خٹگی نہ ہونے کے باوجود خام ہونے کے احساس ندامت کے ساتھ  
جب بھی خامہ نرسائی کی توفیق ایزوی ملی ہے، درویشانِ خدامت، مشائخ  
اولیاء اللہ کی شخصیات پر لکھا ہے کہ

لناس فیما یعشقون مذہب

آج میں حضرت شیخ سید شاہ محمد سلیمان پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ کی جامع عظیم  
شخصیت پر کچھ سطور رقم کرنے کی ہمت و جسارت کر رہا ہوں  
احب الصالحین ولست منهم  
علی اللہ بیز قسنی صلاحاً

گزشتہ دنوں اشوال ۳ و ۴ ۱۳۹۵ھ عید الفطر کی مبارک تقریب پر اپنے مخدوم شہری  
 حضرت مولانا السید ناصر الدین اسد الرحمن شاہ صاحب قدسی قلندر اعلیٰ اللہ تعالیٰ  
 مقامہم (سابق آستانہ مبارک - بھوپال بھارت) (حال آستانہ بھون صلح جہلم)  
 کی خدمت اقدس میں شرف یاریابی کا موقعہ اللہ تعالیٰ سے بہم پہنچایا، تو موضوع نے  
 فرمایا کہ حضرت شاہ سلیمان پھلواروی ہمارے مرشد برحق تھے۔ خاوند چشتیہ،  
 قادر پیر قلندر یہ ہیں ہمیں ان سے شرف نسبت ہے ان کا تذکرہ باعث خیر و برکت  
 ہے، اس لیے اپنی دنیا میں خوش سخی اور حقیقی میں خوش نصیبی کے لیے اولیاء  
 کا ذکر خیر ہی اپنے لیے موجب فوز و فلاح نیز مغفرت ہے۔ و ما توفیقی الا باللہ تعالیٰ۔  
 مرشدنا حضرت شاہ سلیمان پھلواروی کی من موہنی اور پیاری شخصیت تھی  
 وہ اپنے عہد کے ایک امتیازی چشیت اور غیر معمولی جامعیت کے قدسی نفس بزرگ  
 تھے۔ عائلی و مدنی نیز اسلامی سیاست کے مقتدر، اعلیٰ رہنما نیز شریعت و طریقت  
 کے امام، سحر البیان، خطیب، بذلہ شیخ ادیب، جسم و علم و عمل، ان کی عظیم شخصیت  
 مسلمانانِ بے عظیم کے لیے رہی پناہ گاہ کی چشیت رکھتی تھی، ان کی ساری ملک و ملت  
 کی خدمت و تعمیر میں بسر ہوئی، تقریباً ساٹھ سال تک سرزمین ہند کا گوشہ گوشہ  
 ان کے دل گزارا و مراعت سے گزرتا رہا، ان کی پوری زندگی گویا ۱۸۵۷ء سے ۱۹۳۵ء  
 تک کے سارے ملکی ہنگامہ خیز نشیب و فراز، فوجی و ملی جدوجہد کی ایک مستقل  
 تاریخ ہے۔

۱۔ تہذیب الاخلاق ۱۳۱۲ھ، ۲۔ دہلی و ندوہ جمعیتہ کانپور ۱۹۳۹ء  
 ۳۔ خاتم سلیمانی

شاہ سلیمان پھلوارویؒ کے اساتذہ نظامی ملک کے مشاہیر علماء، مولانا عبدالحمید  
 فرنگی علیؒ، شیخ انکلی سید نذیر حسین محدث دہلویؒ، احمد علی سوار پوری، قاضی چریا  
 کوٹی، مفتی میر عباس لکھنوی، حکیم عبدالمجید عظیم آبادی سرفہرست ہیں، آپ زندگی  
 بھر ایک جوان بخت عفتی طالب علم کی طرح علمی سرچشموں کتب خانوں سے اپنی  
 علمی تشنگی بجھاتے رہے، شاہ صاحبؒ ممدوح کے مرشدین و مشائخ حضرت  
 شاہ علی (حبیب نھر) پھلوارویؒ، حضرت شاہ مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی  
 اور حضرت حاجی صاحب مولانا امداد اللہ شاہ پورکئیؒ وغیرہم ہیں۔ شاہ سلیمان  
 صاحبؒ تادم زیست بلکہ اپنی عمر کے آخری لمحات تک اپنے سلسلے طیبہ کے  
 تمام معمولات کے سختی سے پابند رہے۔

شاہ صاحبؒ موصوف کے ہم عصر قومی رفقا سرسید، حبیبیس امیر علی، حالی،  
 حسن الملک، وقار الملک، غبارا جہ محمود آباد، سرآغا خاں ثالث، شبلی نعمانی، سید  
 علی بلگرامی، مولانا سید احمد آردی، مولانا تاج علی مونگیری، مولانا محمد حسین الہ آبادی،  
 قاضی رضا حسین عظیم آبادی، مولانا لطیف اللہ علی گڑھی ہیں۔ حضرت شاہ پھلوارویؒ  
 کی خطابت اور تقریر نے بے عظیم بہندگی ہر دینی ادبی، قومی، علمی اور فنی تحریکوں  
 کے مراکز پر گونج پیدا کی۔

نیز موصوف کے شاگردوں، مسترشدین اور استفادہ کرنے والوں کی فہرست  
 میں سلیمان منصور پوری، سید سلیمان زردی، علامہ اقبالی، سر عبد الرحیم، سر  
 عبد القادر، سر علی امام، سید عبدالعزیز، آزادہ سحانی، خواجہ حسن نظامی، سید جاوید،

اور اسی دور کے دوسرے خطیبوں، مصنفوں اور اہل نظر کے نام آتے ہیں، آپ کی شخصیت ان کا بحر علمی اور وسعت نظر ان کی معنوی اور روحانی رفعت و عظمت اور ان کی فوجی و ملکی خدمات جلیلہ کا اندازہ کرنا زیادہ دشوار نہیں۔

حضرت شاہ سلیمان پھلواروی صاحب کے جراحہ حضرت سید  
**ولادت** حکیم محمد محبوب عالم شاہ صاحب قادری تھے اور آپ کے والد  
 ماجد حضرت شاہ محمد واؤ صاحب جو فیض آباد میں شاہی طبیب تھے۔ ۱۸۵۸ء  
 میں آپ کا مستقل قیام پھلواروی میں ہوا، پھلواروی عظیم آباد پٹنہ سے ملحق ایک قدیم  
 اور مشہور مردم خیز بستی ہے، جس کی خاک سے ہر دور میں علماء و مشائخ اور شعراء  
 پیدا ہوتے رہے ہیں۔

شاہ سلیمان پھلواروی کا خاندان اسی پھلواروی کا ممتاز اہل علم و فضل گھرانہ  
 تھا، انھوں نے اسی سرزمین میں آنکھیں کھولیں تھیں اور قمری حساب سے پیدائش  
 کا حسینہ محرم تھا، وہ دسویں تاریخ دن گزار کر شب کو پیدا ہوئے تھے، خاندانی  
 روایات اور دینی ماحول کے سبب ان کی زندگی اسلام اور ملک و ملت کی سر بلندی  
 کے لیے وقف ہو چکی تھی، بہادر ملی کی لگن ان کو ورثہ میں ملی تھی۔

علم دینیہ کے علاوہ اردو، فارسی اور عربی زبانوں  
**جامع شخصیت** اور شعر و ادب، منطق و فلسفہ اور تاریخ و جغرافیہ

نیز طب جدید و قدیم وغیرہ سارے علوم و فنون انھوں نے حاصل کیے تھے اور  
 اس دور کے ائمہ فن اور ادب کمال سے حاصل کیے تھے، شیوخ حدیث کی تعداد تقریباً ۱۰۰

۱۔ مافوقات خاتم سلیمانی ۲۔ معارف اعظم گڑھ جولائی ۱۹۲۵ء۔

علوم باطنی کی تعلیم و تربیت بھی اپنے تہذیب کے باکمال بزرگوں سے پائی تھی۔ پہلے اپنے  
 خسر اور مرشد شاہ نصیر پھلواروی، پھر مولانا فضل الرحمان گنج مراد آبادی اور آخر میں  
 حضرت حاجی صاحب ہماجر کی سے خلافت و اجازت پائی، ۱۳۰۶ھ میں جب  
 حج کے لیے مکہ مکرمہ گئے تو وہاں کافی عرصہ تک حاجی صاحب کی خدمت اقدس میں  
 رہے، مشنوی کے درس میں شریک ہوئے، فیوض و برکات اور توجہات خصوصاً  
 سرفراز ہوئے، اجازت و خلافت پائی، نیز احسان و تصوف کے وہ تمام سلاسل  
 جو بزرگ عظیم میں اور بیرون ملک رائج ہیں انہوں نے اکابر شیوخ سے حاصل کیے تھے۔  
 اس طرح وہ علوم ظاہری اور باطنی دونوں لحاظ سے جامعیت کے مالک تھے۔

بہ علم و عمل، عالی بے مثال

بہ صدق و صفا، بے اشتباہ

وہ اپنی بے مثال خطابت اور روح پرور و عطا  
 سحر البیان و خطیب تقریر کے اعتبار سے سارے بزرگ عظیم میں یگانہ  
 تھے، اپنے تہذیب کے عبقری اور نابغہ روزگار سمجھے جانے لگے۔ ان کی سحر البیان  
 اور شعلہ فوانی ضرب المثل تھی۔ بات بات پر کوئی نشتر کی طرح پھبتا ہوا شعر،  
 پھر مشنوی کے سوز و گداز اور تہذیب کی وجد آفرینی اس پر مزید ہوتی، سامعین  
 و عطا سننے لگتے، سر دھتے تھے، روتے تھے، تڑپتے تھے اور اپنے گفتار کو دار  
 کا محاسبہ کرتے تھے۔ دل سینوں میں پھیلے ہوئے ہوتے تھے، فکر و خیال  
 کی صورتیں نکھری ہوتی ہوتی تھیں، صراط مستقیم ڈھونڈنے میں یا پانے میں

۱۳۰۶ھ میں مولانا فضل الرحمان گنج مراد آبادی، شاہ حیدر  
 ندوی پھلواروی۔

کوئی دیر نہ لگتی تھی۔ نہ جانے اس طرح کتنی زندگیوں کی راہیں بدل گئیں اور کتنوں کے اخلاق سدور گئے، وعظ و تذکیر کے جلسوں میں علماء بھی ہونے لگے جو فیاض اور مشائخ بھی ہوتے تھے، ہجرت پسند بھی ہوتے تھے، رجعت پسند بھی ہوتے تھے۔ خواص و عوام بھی ہوتے تھے۔ اقرض درد و شوق و اندوگداز اور روحانیت کی دولت بھی یکساں ہمیشہ تھے اور ایک انٹل کسک سب کے دلوں میں اپنا گھر بنا لیتی تھی۔

قیام شاہ سلیمان صاحب اپنے لیے انداز بیان اتنا سادہ اور انوکھا اختیار کیا کرتے تھے کہ آج کل کے نثر نویس یقیناً نہیں رہ سکتا تھا، دلائل و براہین کے پستاروں کے عجز چند سادہ الفاظ میں بڑی باتیں اُفقوں نے ایک جگہ ہی کہیں وہ ایسی ہیں کہ ہمیشہ کے لیے سامع کے ذہن و فکر پر قہم ہو کر رہ جائیں۔

دوسرے الفاظ میں شاہ سلیمان پھلواروی صاحب ایک وسیع النظر عالم روشن ضمیر و ریش خلافت، اور مقتدر رہنمائے ملت بزرگ ہی نہیں تھے، بلکہ ماہر تعلیم کی حیثیت سے بھی ان کا مقام بلند تھا، علی گڑھ یونیورسٹی، ندوہ، اسلامیہ کالج لٹن اور انجمن حمایت اسلام لاہور، وغیرہم کتنے چھوٹے بڑے مدارس دینی، اسکولوں اور کالجوں کے قیام و استحکام میں شریک و خلیفہ رہے، علمی درس گاہوں اور تعلیمی اداروں نیز فلاحی انجمنوں سے دل چسپی لیتے رہے۔

۱۔ مضامین: معارفِ عظیم گڑھ، صدق لکھنؤ، منادی دہلی اور روزنامہ ہند

جدید۔ کلکتہ جون، جولائی ۱۹۳۵ء

۲۔ خاتم سلیمانی از شاہ غلام حسین پھلواروی صاحب۔



ہمارے حضرت شاہ مرشد ناسید اسد الرحمن قدسی صاحب  
 مدظلہ کے مرشد و مقتدا حضرت قبلہ شاہ سلیمان پھلواڑی  
 صاحب کو اپنے دور کے نام نہاد پیروں، صوفیوں اور مشائخ زادوں کی اصلاح کی  
 فکر بھی شروع ہی سے لاحق تھی۔ آپ کی ذات گراچی بجائے خود ایک ادارہ طریقت  
 اور درس گاہ تصوف و احسان تھی۔ نصف صدی سے بھی زیادہ عرصہ تک انھوں نے  
 ملک و ملت کی خدمت میں ہمہ تن سرگرم و مصروف رہ کر بلا بی تبا دیا کہ ایک نثر خیال  
 تصوف، اور ایک امام طریقت اور اہل نظر کی زندگی کیسی اور کیا ہونی چاہیے۔ ان کی  
 تعلیم "محبت" تھی اور ان کی تحریک "محنت" یہی سبب تھا کہ ہر مکتب فکر کے لوگوں،  
 قدیم و جدید میں یکساں مقبول و محترم نیز مخدوم تھے اور مختلف و متضاد عناصر کے  
 درمیان ان کی شخصیت مرکز اتحاد و یگانگت تھی۔

ماحصل یہ کہ آپ بقول

عبادت بجز خدمت خلق نیست

بہ تسبیح و سجادہ و ذوق نیست

کا اعلیٰ مصداق تھے، بار بار انھوں نے یہ نکتہ ذہن نشین اور دل نشین کرنے کی کوشش  
 کی کہ دراصل چیز خدمت خلق ہے۔

ہر کہ خدمت کرد اور مخدوم شد

ہر کہ خود را دید اور مخدوم شد

سہ ماہنامہ حقائق کھنڈ ۱۳۵۲ (محرری) کھنڈ ۱۳۵۲ء - ۵۶ - سہ مقالہ: "اقبال اور

شاہ سلیمان پھلواڑی" ماہنامہ ریاض کراچی، از سید حسن مثنیٰ ندوی پھلواڑی

حضرت شاہ سلیمان صاحب نے ۱۳۳۵ھ میں ۱۹۳۵ء کو حج کے

## وفات

دن صبح کی نماز کے وقت رحلت فرمائی انا للہ وانا الیہ راجعون

ان کی ساری زندگی ایک نمونہ تھی، تمام علماء کے لیے بھی اور صوفیاء کے لیے بھی

انہوں نے ترک دنیا کبھی نہیں کیا۔ رہبانیت سے بہت دور رہے، عام بندگان

خدا سے کٹ کر کبھی نہ رہے اور اپنے آپ کو بت بھی کبھی بننے نہ دیا، نہ ان کے

عادات و معمولات مبارکہ میں تکلف تھا نہ ہی تصنع، نہ طبع مبارک میں نقشب

اور نہ بدکاشائیں، ہر خورد و کلاں سے خندہ پیشانی سے ملنے، چھوٹوں کو ہمیشہ

آگے بڑھانے، گفتگو اور خطوں میں جا بجا مخاطب کا انداز ایسا تھا کہ جیسے بڑے

آدمی کو مخاطب کر رہے ہوں، حضرت شاہ صاحب جتنے بڑے عالم، جتنے بڑے

عارف اور جتنے بڑے دینی، سیاسی اور روحانی مقتدر رہے، اتنے ہی سادہ

مزاج، قلندر مشرب، ایسے ٹوٹے بے نفس، ظلیق و درو مند اور زندہ دل بزرگ

کہتے۔ نظر بلند، سخن دل نواز و جاں پر سوز

یہی ہے رخت سفر میر کاروان کے لیے

## ارشادات، ملفوظات، مکاتیب کی روشنی میں

”زندہ بلی مردہ شیر سے بہتر ہے“

دوپیری اور مریدی یعنی املوک و مالک کہیں نہیں لکھی، عوام سمجھتے ہیں کہ مرید نے اپنے

آپ کو پیر کے لائحہ بیچ ڈالا ہے، یہ باتیں کتاب و سنت کے موافق نہیں ہیں جس کے

قبضہ قدرت میں ہم ہیں اسی سے ہم جاں بازوں کو خرید کیا ہے“

”تو اے عزیز! حقیقت یہ ہے کہ حافظہ و جامی کے کسی شعر کے معنی و مطالب یا ظاہر آیات قرآنی و احادیث سے کوئی نکتہ یا لطیفہ پیدا کرنا حقائق و معارف نہیں حقائق و معارف وہ ہیں جو سیرالی اللہ اور سیر فی اللہ میں مدد رکھتے ہیں۔“

”شکر گزاری کی عملی صورت یہی ہے کہ جس پر خدا کا کرم ہو وہ اس کے بندوں پر کرم کرے اور شکر گزاری کی بدولت نعمت بالائے نعمت پائے۔“

”بزرگوں کا ہاتھ چومنا مستحب ہے بعض صحابہؓ نے بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ بلکہ قدم مبارک بھی چوما ہے اور حضرت عمرؓ کا ہاتھ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح نے چوما تھا اور حضرت علیؓ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کا ہاتھ چوما۔“

(شمس المعارف: ص ۸۰ مکتوب بنام صاحبزادہ شاہ غلام حسنین پھلوار می)۔

”سیدنا امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب سلام اللہ علیہ نے فرمایا ہے: علم ہنر اور حکمت سمندر ہے، علم ہنر کے کنارے گھومتے رہتے ہیں، حکماء و فلاسفہ پیر سمندر میں غوطے کھاتے رہتے ہیں اور غار فہم منہ سے نجات کی کشتیوں میں سیر کرتے پھرتے ہیں۔“ ایضاً (ص ۱۲۹، مکتوب بنام شاہ عزیز فریدی)۔

دوسالک کو سدا کی سکے درمیان جرا اور اکانت ہوتے ہیں وہ چار طرح سے

ہیں۔ رویت، معاملہ، واقعہ، مکاشفہ۔

۱۔ رویت: اس کو کہتے ہیں جو گہری نیند میں واقعات معلوم ہوتے ہیں۔

۲۔ اور معاملہ: وہ ہے جو بین النوم والیقظہ دیکھا جاتا ہے اور

۳۔ واقعہ: وہ ہے کہ اذکار و اشغال کی مشغولی میں جو بے خودی ہوتی

ہے اس حالت میں دیکھا جائے اور

۴۔ مکاشفہ: وہ ہے کہ جو بے مشغولی اذکار و اشغال بے خوری واقع  
ہو اور اس میں دیکھا جائے۔ الہام اس کے ماوراء ہے (ایضاً ص ۲۵۷  
مکتوب بنام عبدالعقود بنگلوری)۔



# سندھ کے دو ہم عصر عالم

بہاء الدین بہائی اور عبد الغفور بہالیونی

ہم سرزمین پاکستان کے صوبہ سندھ کے جن دو اہل علم و فضل کا تذکرہ کر رہے ہیں یہ ماضی قریب ۱۲۸۱ھ کا دور ہے جب سندھ کے پیر بچاؤ و حضرت سید حزب اللہ شاہ راشد ہی اپنے واردات معنوی و روحانی کو تصوف و احسان کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی شاعری کے جوہر دکھا رہے تھے، مصوف کا تخلص مسکین تھا اور جب مرزا قلی بیگ سندھی زبان اور ادب کی خدمت بجا لا کر سندھ کو چار چاند لگا رہے تھے۔ نیز جب مولانا عبد الغفور بہالیونی اپنے تعلقہ فی الدین کی وجہ سے فتاویٰ بہالیونی، اپنے مریدوں سے لکھوار رہے تھے اور اس دور میں ضلع سکھر سندھ کی تحصیل میرپور ماٹیلو کے ایک درویش منش اور بوریانہ نشین عالم و عارف حق مولانا بہاء الدین بھی فن عروض و معانی و نحو میں یکتائے روزگار تھے۔

آج ہم دونوں مؤرخ الذکر علماء حق کی علمی و دینی خدمات کا قدسے اختصار کے

ساتھ تذکرہ کریں گے، بفضلہ تعالیٰ۔

(۱) مولانا بہاؤ الدین املی

ابلی تشیخ کے مانند ہمارے مولانا بہاؤ الدین  
بن جلال الدین بہائی قبیلہ پٹانی بلوچ سے

تعلق رکھتے تھے اور اہل السنۃ و الجماعۃ تھے۔ سلسلہ پشتیہ کے خانوادہ کوٹ

مٹھن ضلع ڈیرہ غازی خان کے غیر معمولی مشہور اہل اللہ خواجہ غلام فرید سے بیعت

تھے، نقشبندیہ سلسلے میں مقابلہ ہے اور پشتیہ سلسلہ میں رابطہ، اس بنا پر مولانا

بہاؤ الدین بہائی "صرف و نحو کے علاوہ فارسی ادب و شاعری میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے تھے"

موصوف ۱۳۹ھ میں گوٹھ نصیر تحصیل گھوٹکی ضلع سکھر سندھ میں پیدا ہوئے، چونکہ

غریب گھرانے میں پیدا ہوئے تھے اور والد بھی صغیر سنی میں فوت ہو گئے تھے اس لیے

مولانا بہائی "باقاعدہ علوم متداولہ و فنون مختلفہ حاصل نہ کر سکے بچپن میں بکریاں چرایا

کرتے اور اپنی بیوہ والدہ ماجدہ کی خدمت کرتے رہتے، اپنے والد کی وفات کے

بعد شہر "گھوٹکی" کے مشہور عالم دین سید علی اکبر شاہ جیلانی "کی خدمت میں نائے

تلمذتہ کیا اور ابتدائی فارسی تعلیم کے بعد عربی کی مختلف کتب پڑھیں اور غیر معمولی

ذوق و شوق نیز خدا واد و ذہانت کے سبب وہیں گھوٹکی ضلع سکھر میں عربی مدرسہ

تعمینات ہو گئے، کچھ عرصہ بعد ضلع جیکب آباد سندھ تحصیل کندھ کوٹ کے

ایک مدرسہ عربیہ غوث پور میں مدرسہ ہوئے۔ پھر اس کے بعد تحصیل میرپور تحصیل

کے گوٹھ مٹھا خان لغاری میں مدرسہ ہو گئے اور زندگی کے آخری ایام وہیں گزارے،

ایک سو چودہ سال کی طویل عمر پا کر وہیں ۱۳۵۲ھ ۲۴ محرم الحرام، جمعرات ۵ بجے

رات کو فوت ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط

اپنے زمانہ تدریس میں مولانا بہاء الدین بہائی "پشتی" نے اکثر وقت تصنیف و مطالعہ میں صرف کیا اور فارسی شاعری میں جو تصوف اور قرآن کی روشنی میں ہوتی ہے۔ پورا دیوان غزلیات کا لکھ ڈالا یہ پورا دیوان راشدہ پریس میرپور ماٹیلہ میں شائع ہوا، جو اب نایاب ہے۔

چونکہ مولانا بہائی "حضرت خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ مرید اور عقیدت مند تھے اور بہاول پور کے نواب بھی ان کے پیر بھائی تھے اس لیے حکومت پاکستان کی سابقہ ریاست بہاول پور کے نواب محمد بہاول خان عباسی نے ان کی توہینت اپنے ذاتی انہماک اور توجہ سے شائع کرائی۔

مولانا بہاء الدین بہائی کی تصانیف کی فہرست پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ واقعی مولانا بہائی "ایک عظیم شاعر، ادیب اور عالم باعمل شخصیت کے مالک تھے۔

مولانا بہائی کی تصانیف کی مجموعی تعداد نظم و نثر فارسی میں ہے اور سندھی، گجراتی، پنجابی، پشتو اور دیگر خطوں کی فہرست مندرجہ ذیل ہے۔

- ۱۔ بدرالشریح۔ فارسی صادق الانوار پریس بہاول پور ۱۹۰۳ء۔
- ۲۔ تذکرۃ القوافی۔ ایضاً راشدہ پریس میرپور ماٹیلہ شائع سکھرسندھ،
- ۳۔ یاد خداتہ منظم فارسی (مثنوی) مطبوعہ بلالی پریس۔ انبالہ
- ۴۔ مثنوی بہائی "ایضاً" ۱۹۰۴ء

۵۔ دیوان نعتیہ فارسی

۶۔ خورشید و خراب بر تنبیح کتاب نان و حلو بہاد الدین آملی، مطبوعہ بلالی پریس

انبالہ بہ فرمائش نواب خامس ریاست بہاول پور ۱۹۰۲ء

۷۔ دیوان بہائی مطبوعہ راشدیہ پریس میرپور ماٹھیلو

۸۔ سرگایہ اخلاق احسن۔ فارسی صادق الانوار بہاول پور ۱۹۰۳ء

۹۔ ماسہیدان ایضاً ایضاً (مختص ما مقیمان منظوم فارسی)

۱۰۔ رباعیات بہائی فارسی۔ صادق الانوار بہاول پور ۱۹۱۰ء مطبوعہ

۱۱۔ کریمہ بہائی بر تنبیح کریمہ سوزی ایضاً ایضاً ۱۳۲۱ء

۱۲۔ دور منظوم فارسی ایضاً ایضاً

۱۳۔ مجمع القواعد علم البدیح المعانی فارسی، مطبوعہ بہاول پور ۱۹۲۱ء

۱۴۔ مجمع الفوائد ایضاً ایضاً

۱۵۔ داستانہ عاشقانہ منظوم فارسی ایضاً ایضاً

۱۶۔ مرآة الجنان منظوم فارسی۔ صادق الانوار، بہاول پور ۱۹۲۱ء

۱۷۔ تثنیہ نجدی۔ نشر فارسی۔

اس کے علاوہ حسب ذیل سندھی کتابیں مولانا بہائی کی تصانیف ہیں۔

۱۔ تشبیہ الغافلین (فقہ) سندھی

۲۔ حضرت بلال (سیرت)

۳۔ اشتر نامہ منظوم

۴۔ خطبات جمعہ و عیدین



مولانا بہاء الدین بہائی رُوح کے چھ فرزند ہوئے ان میں سے سب سے چھوٹے  
فرزند مولانا عبدالرحمن صنیائی نقشبندی ہیں جو علوم ظاہری و باطنی کے جامع اور  
بزرگ شیخ، فارسی شاعری کے مقتدر شاعر اور عالم باعمل ہیں۔

مولانا موصوف نے مختلف اصناف

مولانا بہائی کی فارسی شاعری سخن میں شاعری کے شاہکار اپنی

چھوڑے ہیں۔ بطور نمونہ کچھ اشعار ہم قارئین کی نذر کرتے ہیں کہ  
بنتی نہیں ہے باؤہ و ساغر کے بغیر!

قصیدہ

یاعث ایجا ما شیم از پیٹے ہر دو جہاں  
طالب ذات خدا ایم، و خدا مطلوب باست  
ہر دو عالم فی الحقیقت منت احسان باست  
درد مند از دردیم و درد حق درمان باست  
مداحیہ اشعار سے

یہ بازار حساب حشر چون رحمت کندہ جلوا  
بطاعت خندہ با، باشد لب دندان عصیاں را  
عنان اختیار خود سپردہ استم باست او  
بہائی ادول جهان بندہ ام آل شاہ خوباں او

غزلیات فارسی!

کے تو اتم شد تر کش از تلخی غم ہائے تو  
اسے کہ چون شیریں بن مد کو کین چہا کردہ!

بہشتان آن تم گر بر پیکار می آید  
دوا بر و نسیخ و مشرکان خنجر و شوخی سامانی!

# قطعہ تاریخ وفات

از عبد الرحمان ضیائی ابن مولانا بہائی

بہاؤ الدین بہائی شاعر سندھ

بہ صبح جمعہ از دار فناء رفت

مہ شوال و روز بست و چہارم

سن و صلیح بچوان سوئے خدا رفت

۱۳۵۲ھ

مولانا عبد الغفور بہایونیؒ مولانا بہاؤ الدین بہائیؒ کے بارے

میں سندھ مایا کرتے تھے ذاتی طور پر شغف فقہی مسائل اور حدیث سے

ہے تاہم بسا اوقات خیر اختیار ہی طور پر نعتیہ شعر بھی سندھی اور فارسی میں

بے ساختہ کہتا ہوں تو ان کی اصلاح اپنے عصر مولانا بہائیؒ سے لیا کرتا ہوں

اب ہم مولانا بہائیؒ کے ہم عصر اپنے عہد کے عالم و عارف

حق فقہ و حدیث کے ممتاز حیثیت کے مالک مولانا

(۲) مولانا بہایونیؒ

بہایونیؒ کا ذکر خیر کرتے ہیں۔

سندھ صوبے کے یہ باکمال عالم و فاضل ۱۲۶۱ھ میں یہ مقام گورکھ بہایونی

تحصیل شکار پور ضلع سکس سندھ میں پیدا ہوئے۔ موصوف کے والد ماجد

مولانا محمد یعقوب بلوچستانی علاقے جھٹ پٹ کے باشندے تھے، گورکھ بہایونی

کے زبندار غازی سوہرو کی اسٹڈ عابد مولانا بہایونی کے والد نے ویسی مدرسہ کی

بنیاد رکھی، اس مدرسہ اسلامی کی تعلیم و تربیت سے مولانا عبد الرحمن ساکھر

مولانا نور محمد شہداد کوٹیؒ، مولانا عبد اللہ سیدیؒ اور مولانا عبد الستار مشہور

شاگرد شمار ہوتے ہیں، اس علاوہ قبلا، سکران اور انجانستان سے طلبہ حصول علم

کے لیے آیا کرتے، مولانا عبدالغفور بہاولپوری نے ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی، حصول تعلیم کے دوران مولانا کے والد ماجد وفات پا گئے، ادھوری تعلیم کی تکمیل آپ نے مولانا سلطان محمد سیٹاپوری سے کی، فارغ التحصیل ہونے کے بعد موصوف تے تدریس کا فریضہ ادا کرنا شروع کیا اور اپنے مدرسہ میں جو گورنمنٹ ہمایول میں تھا، دینی طلباء کو تفسیر و حدیث، فقہ و اصول فقہ کی تعلیم دینی شروع کر دی، سندھ کے گورنمنٹ کے طلباء اور دور دراز کے علاقوں کے طلباء آن کر علوم دینی سے فیضیاب ہونے لگے۔

مولانا بہاولپوری کی فتاویٰ اور فقہی مسائل کے جزئیات کے حل کا علماء سندھ میں شہرہ ہے، موصوف فتویٰ نویسی کے علاوہ فن طب میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے اور غریبوں و مساکین کا معالجہ فرمایا کرتے، تدریسی مصروفیات کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف پر ذاتی طور پر خاصی توجہ مبذول فرمائی، طب میں ”فرہنگ بہاولپوری“ تصنیف کی، فقہ کے مسائل پر دو جلدیں فتاویٰ بہاولپوری کی اہل علم میں مشہور و ممتاز ہیں۔ نیز ایک کتاب ”درالمنثور تالیف فرمائی۔

مولانا بہاولپوری علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ علوم باطنی سے بھی بہرہ ور تھے۔ سینکڑوں لوگ موصوف کی خدمت میں دعا، طلبی اور روحانی فیوض و برکات حاصل کرنے کے لیے جوق درجوق آیا کرتے تھے اور انھیں دین کی تبلیغ فرماتے اور رشد و ہدایت سے بہرہ مند کرتے۔ سندھ کے مشہور علماء و مشائخ سے خصوصاً حضرت سید تاج محمد و امروٹی، مولانا بہاؤ الدین بہاٹی، شمس الدین خان بابل، اور میر علی نواز علوی اور مولانا عبد اللہ سندھی علیہ الرحمۃ

سے موصوف کے خوش گو اور تعلقات تھے۔

مولانا بہا یونی "علوم اسلامیہ کے عالم و فاضل ہونے کے باوصف ادب اور شاعری سے بھی لگاؤ رکھتے تھے، مدوح کا دیوان، "دیوان مفتون" کے نام سے (مجموعہ کلام فارسی، سرائیکی اور سندھی) شائع ہو چکا ہے۔

مولانا کے شاعرانہ طرز سخن میں دلکشی، رچاؤ، بے ساختگی، اور استعارے کا خاص عنصر پایا جاتا ہے، فنی لحاظ سے مولانا بہا یونی "ایک خاص اسلوب کے ماہر اور ان کے ہاں انفرادیت و جدت نئے نئے تجربات کیے ہیں مولانا بہا یونی کی شاعری پر عشق رسالت مآب کا غیر معمولی اثر اور غلبہ ہے۔ نعتوں میں بھی غزل کا سنا بنا ٹکپن ہے، ہم تبرکاً ایک (سندھی) نعت کے چند اشعار کا ترجمہ خوانندگان محترم کی خدمت پیش کرتے ہیں۔

سے اے میرے محبوب! صرف میں ہی اکیلا آپ کی زلفوں کا اسیر نہیں ہوں  
سینکڑوں آپ کے شیدا اور فریفتہ ہیں۔

سے آپ کے دستِ خوانِ لطف و کرم پر ہزاروں مہمان ہیں فقط میں ہی تنہا مہمان  
عزیز نہیں ہوں!

سے جو رہی، فرشتے اور جن آپ کے غلام ہیں مجھ میں ہی آپ کا مفتون  
نہیں ہوں۔

سے آپ کے دامانِ رحمت تلے شاہ و گدا سب اُمیدوار کرم ہیں فقط میں عبید الغفور  
ہی پُرا امید نہیں ہوں۔

زہے نصیب کہ چھ پر اک نگاہ کرم ہو جائے صلی اللہ علیہ وسلم

# ذکرِ مرشدِ کریمِ العالی در ظلہ

راقم الحروف کا عقیدہ اہل سنت والجماعت، مذہب، محبت، مشرب، ادب  
نیز مسلک قلندرانہ سے بقول حضرت قلندر شہبازہ سیوستانیؒ سے

حیدرِ عالمِ قلندرم، مستم

بندۂ مرتضیٰ علیؑ ہستم

چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک!

تاہمؑ

اس سنگ بزرگانی اہل تیز کو سلسلہ عالیہ زحمانیہ قلندریہ سے شرف نسبت ہے جو

کاسر چشمہ اہل بیت اطہارؑ ہیں، خلفاءِ راشدینؑ ہیں نیز اصحابِ صضرہ ہیں۔

ہمارے آقا و مولا و مرشدِ کریم حضرت مولانا سید اسد الرحمن شاہ صاحب

شاہزادہ قدسی اعلیٰ اللہ تعالیٰ مقامہم، (سابق آستانہ مبارک - بھوپال) بقول

علامہ سر محمد اقبالؒ سے

چشمہ فیض تشنہ لب کے لیے

مرکزِ رشد بہر اہل صفت!

کوئی سمجھے تو ہے مقامِ قدس

آستانہ جنابِ قدسی کا

حال رونق افروز آستانہ مبارک، بھون، تحصیل چکوال، ضلع جہلم، کی

عمر مبارک اس وقت تقریباً بیچاسی سال ہے، حق سبحانہ و تعالیٰ ہم غلاموں پر

محسوس مرشدِ کیم مدظلہ العالی کا سایہ شفقت و رافت تاویل سلامت رکھیں

ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم۔

آن حضرت کا لقب سید ناصر الدین محمد، اسم ذاتی سید اسد الرحمن اور

عرفیت شہزادہ قدسی ہے، تمام عمر مبارک نشانِ استغناء و تجرید و تفرید نیز

قلندرانہ انداز سے گزری ہے، فقر اضطراری نہیں اختیار فرمایا ہے۔

حضرت مدوح کی تاریخ ولادت ۱۲ رجب المرجب ۱۳۰۹ھ بروز شنبہ

بوقت صبح صادق ہے، گھر شریف کا چھٹا برس شروع ہوتے ہی ظاہری تعلیم کے

ساتھ باطنی تربیت اپنے والد ماجد گرامی قدر حضرت سید حبیب الرحمن شاہ قلندر

بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ سے پاتے رہے۔ علوم متداولہ تفسیر، حدیث اور فقہ

کی تکمیل کی غرض سے پانچ برس لاہور میں قیام فرمایا، اور مختلف علوم و فنون نیز

بصارت میں تہارت تامہ حاصل فرمائی۔

تعلیمات سے فارغ ہو کر واپس ہوئے کھڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ والد

بزرگوار نے ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ کو رحلت فرمائی۔

رحلت سے دو ہفتہ قبل ۹ ذی الحجہ کو آخری روزہ افطار فرما کر بعد نماز

مغرب ایچ، مصلی، کلاہ قلندری اور خصوصی مہولات و اوراد نیز وظائف

کا قلبی مجموعہ حوالہ فرما کر ارشاد فرمایا:

”مجھے ہدایت ہوئی کہ تم کو اپنا چانشین مقرر کروں۔“

چنانچہ حضرت موصوف نے غیر معمولی ریاضت و مجاہدہ فرمایا اور متوسلین کو رشد و ہدایت نیز دعوت و تلقین سے سرفراز فرماتے رہے، علاوہ صلحاء موجودہ عہد کے علاوہ مشاہیر اہل نظر بھی ان حضرت زید مجدہم کی کسوف صحبت سے فیضیاب ہوئے،

مثال کے طور پر مولانا اشرف علی تھانوی، علامہ شبلی نعمانی، مولانا ابوالکلام آزاد، لسان العصر اکبر آبادی، جگر مراد آبادی، حضرت نوح نادر، علامہ اقبال، مشہور اردو ادب کے نقاد علامہ نیاز فتح پوری، نیز خواجہ حسن نظامی وغیرہم،

کلابی اردو بھوپال کے مؤجد علامہ زیدی مرحوم، حضرت سائغر نظامی، بیات اکبر آبادی، حفیظ جالندھری، حضرت مولانا تھانوی نے ”ولی الاشرف“ کا خطاب بجمالی شفقت ارسال فرمایا اور حضرت شاہ محمد علیاں پھلپوری نے ”حبیب الاولیاء“ کا لقب عنایت فرمایا۔

حضرت مرشدنا، تلامذہ العالی کا احسان و طرفیت میں طریقہ رحمانیہ قلندریہ ہے۔ آپ کے نزدیک وحدۃ الوجود اور نظریہ وحدۃ الشہود وغیر ضروری ہیں۔ اس بحث و تمجیح میں حصہ لینا اور مناظرہ کرنا حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی ذات سے متعلق صریح سودا دہی ہے۔ علم کلام، فلسفہ اور منطق کے مباحث انسان کو زمرہ ”یومنون بالغیب“ سے خارج کر دیتے ہیں۔

تمام تزییر و سلوک کا حاصل یہ ہے کہ دل گرفتاری ماسوی اللہ تعالیٰ سے آزاد  
 اور خاطر حضور اور شہودِ حق سے معمور ہو، بقول مصنف "الطاف قلندریہ" قلندر  
 آنست کہ از مقامات و کرامات گذشته باشد چون عبد العزیز مکیؒ ہر آن درجہ  
 رسید، حضرت رسول خدا سے راہ خطاب قلندر ممتاز ساخت سے  
 چون کہ او از مصطفیٰ این نام یافت  
 در جہان معرفت، آرام یافت  
 قلندری بخیر است از موانع و دُور کردن آنچه از جانب خود است باقی  
 داشتن آنچه از جانب حق تعالیٰ است سبحانہ و تعالیٰ،  
 طریقہ ایشان است اخفاء و عدم امتیاز از خلق و ستواضع بودن و خود را  
 در دائرہ عوام انداختن الخ،

سید ناصر الدین محمد اسد الرحمن شاہ قدسی بن سیف الحق حافظ  
**شجرہ طیبہ** سید حبیب الرحمن قلندر بن شاہ نجف علی اشرف بن خواجہ  
 احمد چشتی بن قاضی القضاة سید فخر الدین ایزدین خواجہ شرف الدین الہی بن  
 سید قطب الدین بن خواجہ محمد عاقل بن زین الدین خواجہ محمد چشتی بن علاء سید  
 محمد علی بن شیخ الاسلام سید ابی المکارم بن سید ابی المکاشس بن شاہ ابوالفیض بن  
 ابوالفضل بن سید عبدالباقی بن سید ابوالعالی بن سید ابوالواہب بن سید ابوالحیات  
 بن سید محمد ناصر بن سید محمد ماہ بن شاہ محمد میر بن میر مستود بن میر محمود بن سید ابی احمد  
 بن میر داؤد بن سید ابی ابراہیم بن سید محمد اعجازی بن سید موسیٰ مہر قح بن سید محمد تقی  
 بن سید امام علی رضا بن سید امام موسیٰ کاظم بن سید الامام جعفر الصادق بن



الامام محمد باقر بن سیدنا الامام زین العابدین بن سید الشہداء الامام سیدنا حسین بن  
 سیدنا اللہ الغالب امیر المؤمنین سیدنا علی بن ابی طالب علیہم السلام اجمعین،  
 صراط مستقیم اور اطمینان قلب، ان دو کتابوں میں قرآنی  
**تصنیفات** تصوف کی صحیح تعلیمات ہیں۔

تحفہ درویش اور الطاف سبحانی، ان میں طریقہ کے مخصوص معمولات ہیں۔  
 علم بیان، اور جہاں نما، ان دو کتابوں میں مکتوس علی اور دقیق نگارشات ہیں۔  
 معارف و طریقت اور علم و عرفان، ان میں تخلیق آدم سے عالم آخرت  
 تک کی قرآنی اسرار و رموز ہیں۔

شرعۃ المتین اور منهاج المتین۔ مستند اور صحیح منتخب احادیث  
 کے مجموعے ہیں۔

رباعیات قدسی، یہ حضرت مرشد کریم درظلہ العالی کے غیر معمولی غارفانہ  
 اور قلندرانہ اعلیٰ کلام اردو اور فارسی رباعیوں کا مجموعہ ہے۔

بعض کوائف و سیروسیاحت۔ حضرت اقدس کے والد گرامی قدر مولانا  
 سید حبیب الرحمن شاہ قلندر گنگوہی، تم بھوپالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہم عصر  
 مشائخ میں سے حضرت خواجہ قطب عالم اللہ بخش تونسوی نے اپنے مرید خاص  
 خزان خان قندھاری کے ہاتھ کلاہ مصیبتی طور پر یہ بھیجا،

نیز اسی زمانہ میں حضرت غوث عالم حاجی سید وارث علی شاہ دیوبند شریف  
 نے اپنا احرام مبارک تحفہ خاص کے طور پر اس ہدایت کے ساتھ بھیجا کہ آپ ہمیشہ  
 احرام پوش ہی رہیں۔ چنانچہ آل حضرت مرشد پاک کے والد ماجد زندگی عمر

احرام پوشش ہی رہے۔

ہمارے مرشد کریم مدظلہ العالی کی محترمہ والدہ ماجدہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا،  
سادات سبزواری کے خاندان سے تھیں۔ وطن کابل، افغانستان اور زبان فارسی  
تھی اور نیز پشتو میں بھی گفتگو فرمایا کرتی تھیں، ذکر و فکر اور ریاضت عبادت  
کے ساتھ ساتھ ہفتہ بھر میں قرآن مجید کی تلاوت ختم فرمایا کرتی تھیں۔

حضرت سیدنا و مرشدنا قدسی اعلیٰ اللہ تعالیٰ مقام ہم نے پورے ہندوستان  
اور کشمیر کے تمام اولیاء اللہ الرحمن کے آستانوں اور خانقاہوں پر زیارت اخذ  
فیض ربانی تقویٰ کے بعد ۲۴ ویں قعدہ ۱۳۵۷ھ کو آستانہ مبارک بھوپال سے  
برائستہ بیٹی جدہ تشریف فرما ہوئے اور پھر سرزمین حجاز کے سلطان عبدالعزیز  
بن سعود فرزان روئے مملکت سعودیہ عربیہ، جلالتہ الملک کے مہمان عزیز ہوئے۔  
مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں جہاں امراء و عوام سے طلاقات عام فرمائی۔  
وہاں کبار مشائخ و علماء حرمین شریفین سے بھی خصوصی مشافہتہ اور معانقتہ ہوا،  
چنانچہ مدینہ منورہ کے شیخ الشیوخ حضرت سید امیر حمزہ رفاعی نے آپ کو  
اپنا "خلیفۃ فی الہند" اور حجاز طریقت بنایا۔ اور مکہ مکرمہ کے شیخ المشائخ زبید  
ماد العین نے بھی خلیفہ حجاز منتخب فرمایا، نیز حضرت شیخ عبدالباقی الانصاری  
نے اپنی تالیف "الاسعاد بالاسناد" کا ایک نسخہ اور سب سلاسل کی خاص  
اجازت بھی عطا فرمائی، جو خود موصوف کو حاصل تھی۔

حج سے فراغت کے بعد حضرت ابی شیخ البلاد المغربیہ سید مصطفیٰ اح واد  
مدینہ منورہ ہوئے اور حضرت مرشدنا مدظلہ العالی کو تخریری اجازت نامہ بھی

عنایت فرمایا، ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ (القرآن)  
 اس کے علاوہ جبل پور کے شاہ عبدالرحیم سندیلوی، نقشبندیؒ و حضرت سید  
 محمد فضل شاہ قلندر کاشمیریؒ خلیفہ حضرت سید گل حسن شاہ قلندر پانی پتیؒ بھی  
 آستانہ مبارک بھوپال حاضر ہوئے۔

اس دور کے امرار و اہل تمول جو درویش دوست اور بزرگوں کے عقیدت  
 کیش تھے، ہمارا رجہ کشن پرشاو، جہدرا آباد کھن، نواب عبدالمحفوظ خاں ریاست  
 ٹونک، نواب عبدالخالق خان مانگروول۔ کاٹھیاواڑ، نیز نواب سلطان جہان بیگم  
 فرمائے ریاست بھوپال، بھی حاضر آستانہ مبارک ہوئے۔ واللہ یختص  
 برحمۃ من یشاء (القرآن)

یہ محض حسن عقیدت ہی نہیں بلکہ خدا گواہ حقیقت  
**خصائل و اخلاق** ہے کہ ہمارے حضرت مرشد برحقؒ و تخلقوا  
 باخلاق اللہؑ کا مکمل نمونہ ہیں۔

انسانی فطرت ہے کہ دوست اور دشمن میں امتیاز کرے لیکن حضرت  
 مرشد نازید مجدد صہم کی نگاہِ کرم دونوں پر یکساں ہے۔

بقول مولائے رومیؒ سے

**انتر صحبت** یک زمانہ صحبت با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعت کبریا

آں حضرت مدظلہ العالی کی شرفِ صحبت، سرمایہٴ تسکین و راحت ہے جس  
 سے ہر مضطرب قلب اطمینان حاصل کر سکتا ہے، آپ کی باریابی میں بچہ، جہان

اور بوڑھا بغیر امتیازِ ملت و مذہب خوش باشی اور زندہ دل رہتا ہے۔  
یہ امر واقعہ اور خدائے بزرگ و برتر تعویذ کا خاص فضل ہے اور رحمت ہے کہ  
آپ کی صحبت میں چند روز کے بعد انسان کا دل خرافات و نیاوی سے بیزار  
اور ذکر و عبادت کی جانب مائل ہو جاتا ہے۔

طبیعتِ ذوال سے متنفر ہو کر فضائل و اخلاقِ جمیلہ کے سانچے میں ڈھل جاتی  
ہے۔ بفضلہ تعالیٰ آنحضرت کی نظریفیض اثر سے دکھ، درد و قطعاً دور ہو جاتے ہیں۔

جدیدہ ایشیا و قربانی اگر نام ہے سب کے بعد خود سے محبت  
پہلے ڈی و ایشیا کرتا، دوسروں کے مفاد کو اپنے ذاتی فوائد پر مقدم سمجھنا،

تو سچا اللہ تعالیٰ اس کی زندہ جاوید مثال بلکہ مثالی غیر معمولی شخصیت حضرت  
سیدنا قدوسی قبلہ کی ذات کریم ہے، دل ہے تو غنی، نگاہ ہے تو سرچشمہ لطف و کرم  
ہاتھ ہیں تو بارانِ رحمت، سینہ مبارک ہے تو سینائے انوارِ قدس،

الغرض آپ کا سراپا گل سرسید، وجود ایک سرسبز و شاداب نہال ہے، جن کی  
سایہ گستری، گل افشائی، بہرہ دہی سدا بہار نظر آتی ہے۔

شانِ بے نیازی کا مفہوم ہے کہ انسان اپنے  
استغناء اور بے نیازی حوائج و ضروریات میں اپنے ہم جنسوں سے استمداد

کا طلب گار نہ ہو۔

طریقت اور باطنی لحاظ سے تو ظاہر ہے کہ بے نیازی جاوہ سلوک کی پہلی  
منزل ہے اور اہل احسان و تصوف کا پہلا مرحلہ شوق ہے جس کو طے کیے بغیر ترقی و

تہذیب نفس بیکار ہے، شکر اللہ تعالیٰ کہ ہمارے حضرت اقدس میں یہ شانِ بے نیازی

اور خودداری اپنی پوری آب و تاب سے جلوہ افروز ہے ،  
کیونکہ کامل درویشی کے لیے بلند خیالی ، مستقل مزاجی ، عالی سوسائٹی ، پختہ کاری  
نیز شان بے نیازی وغیر معمولی قلندرانہ انداز ، جہز و لاینفک ہیں ۔

چونکہ بیشتر مقامات زمانہ طالب علمی اور سیرت  
ہر جہت پاکستان میں دیکھے ہوئے تھے ۔ بہت غور و تجسس کے  
بعد پنجاب میں ضلع جہلم کے کوسستانی علاقہ کو پتہ چلا کہ آستانہ مبارک ، بمقام بھون  
تحصیل چکوال میں قیام فرمایا ۔

اب حضرت مرشدنا مدظلہ العالی اسی آستانہ مبارک میں روشی افروز ہیں ،  
متوسلین غمک وغیر جلاک کی آمد کا سلسلہ جاری ہے ، باوجود ضعیف العمری اور  
علاقت و ناتوانی جسمانی لوگوں کو ارشاد و ہدایت سے مستفیض فرماتے ہیں اور حاجتمندوں  
کے لیے دعا و خیر فرماتے ہیں ،

، آستانہ مبارک میں تقریباً ۱۴ سال قیام  
کے دوران کبھی بھی کسی اپنے غلام اور مرید نیز متوسل کی دعوت پر کسی کے گھر تشریف  
فرمائیں ہوئے گویا ،

الاستقامت فوق انکرامت کا مصداق ہیں ۔  
زیادہ کیا بکھوں ، علم محدود ، عمل مفقود اور عقل قاصر ہے ۔ اللہ تعالیٰ باقی ہو ،  
اپنی کم سواد ہی اور کم نصیبی ہے کہ نثر پائے محفوظ نہ کر سکا ۔  
دیگر برادران سلسلہ رحمانیہ قلندریہ اور متوسلین کا دامان  
ملفوظات  
نوکش سختی اس دولت بے بہار ملفوظات و ارشادات گرامی سے مالا مال ہے ۔

لہذا رباعیات قدسی، مرتبہ سید افتخار حسین ناطق گوالیاری سے چند رباعیاں تیار کرو  
 یمناً نقل کرتا ہوں اور قارئین "مقالات رحمانی"، کو ہدیہ صدق و اخلاص پیش کرتا

کرتا ہوں، بقول سائیں آبا رحمانی مرحوم سے

کیے جا خطیب اپنے مرشد کی خدمت!

تو تسلسل سے اُن کے خدا تعالیٰ بھی ملے گا

## رباعیات بصورتِ ملفوظات

روحانی مقاموں کو نہ پایا تو نے اس مادی عالم ہی کو دیکھا تو نے  
 مانا کہ حسدائی کا خلاصہ ہے تو خود اپنی حقیقت کو نہ سمجھا تو نے

کہنا ہے تو اپنی آنکھ بیتا کر لو تو بہ کر لو گنہگار سے توبہ کر لو  
 ہو جائیگی، مشکلیں کسی دن آساں اپنے اللہ پر بھروسہ کر لو

دنیا کا نہ مرتبہ نہ دولت اچھی اچھی ہے اگر تو بس محبت اچھی  
 ہوں عشق کا دیوانہ بہت اچھا ہوں میری تو یہی خسرانِ حالت اچھی

بچپن فانی، تری جوانی فانی فانی ہے، تمام زندگانی فانی  
 اللہ سے کو لگا، کہاں کی دنیا باقی باقی ہے، فانی فانی

دائغِ غمِ عشقِ ہم چو ما ہے دارم  
 تاریکیِ شب جو صبح گاہ ہے دارم  
 یا ہم ہمہ آفتاق دنیا ہم چیزے  
 درویشم و دل جو بادشاہ ہے دارم  
 متعنا اللہ تعالیٰ بطولِ بقائہا وافاض اللہ علیہنا  
 من فیوضاتہ وبرکاتہ -

سنگِ آستانہ مبارک  
 خطیبِ رحمانی  
 اسلام آباد

(۱) "تذکرہ قلندر زمان" از حسن عزیز جاوید رحمانی،

مکتبہ قدسی، فیئر روڈ کراچی ۵۔

ماخذ و کتب

۲۔ "فیضانِ قدسی" از محترم صفوی حبیب اللہ رحمانی، کاشمیری،

گوشہ ادب، انارکلی لاہور۔

۳۔ "نعمتِ عظمیٰ" از حکیم سید زہر و حسین رحمانی شاہ جیلانی،

گوشہ ادب، انارکلی لاہور۔

۴۔ "رباعیاتِ قدسی" از سید افتخار حسین ناطق رحمانی، (ایڈووکیٹ)

مکتبہ قدسی، فیئر روڈ کراچی ۵۔

۵۔ "نصائیف" از حضرت مرشدنا الکریم حبیب اللہ لیاہ قلندر زمان مولینا

وسیدنا السید ناصر الدین محمد اسد الرحمن شاہ صاحب اعلیٰ اللہ تعالیٰ مقام

شاہزادہ قدسی مدظلہ العالی - (آستانہ مبارک، بھون، تحصیل چکوال، ضلع بہاول  
پاکستان) -

مطبوعہ:- جمید برقی پریس وہی (بھارت) و گوشہ ادب، انارکلی لاہور  
مکتبہ رحمانی، ۱۳۸۸ فیڈرل بی ایریا، کراچی ۳۸، پاکستان  
و آستانہ مبارک، بھوپال (بھارت) و مکتبہ رحمانی - ۲۷-بی - جی - ۱۰  
سی (بہاول پور)

۶- "اقبال" اور بھوپال، از جیٹھا بھٹوی، مدیر ماہنامہ، افکار، رابن روڈ کراچی۔  
۷- "حالات قدسی"، اقبال حسین خان بی۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی، ندیم خاص  
نواب صاحب ریاست بھوپال (بھارت)۔





## اقبال اور ملا

نوزن لطیفہ کے عناصر تلمذ موسیقی، مصوری اور شاعری کے فروغ کا جہاں تک تعلق ہے، شاعری کے فن میں علامہ محمد اقبال مرحوم کی شاعری محض الفاظ کا بیج و خم اور عقلی تراکشی تراش ہی نہیں ہے، بلکہ عالم الفاظ سے کہیں دور عالم معانی اور عالم اثر کا ایک جہاں نوآباد ہے۔

اقبال کی شاعری میں ایک عظیم اور غیر معمولی مقصدیت نیز نصب العین سے بھرپور فلسفہ و حکمت ہے۔ حکمت یونانی نہیں حکمت قرآنی نے شاعری کا خوبصورت روپ دھار لیا ہے، عقل بے مایہ جو امامت کی ہرگز سزاوار نہیں اور شریعے ہاں ثابت ہوئی ہے۔ جب یہی عقل (عشق) وحی الہی کے تابع ہوتی ہے تو انسانیت اپنے معراج کمال پر پہنچ جاتی ہے۔

عقل عیار ہے، خود غرض ہے سو بھیس بدل لیتی ہے۔ لیکن عشق بے چارہ بے غرض، نڈر اور سراپا ایتار و قربانی ہے۔ اہل عشق اہل محبت اور اہل طریقت ہی نے خودیوں و اخلاق خدا پرستی اور نیکو کاری کے سانچے میں ڈھل کر مخلوق خدا

کی بے لوث خدمت کی ہے۔

انہی اہل عشق کو قرآن حکیم نے اولیاء الرحمن کے خطاب اور اسرار سے  
بہتر ہے جو قرآن حکیم کے الفاظ و معانی نیز اثرات کے حامل ہوتے ہیں اور  
جی کی فیضانِ نظر سے۔ تاثیر نگاہ سے تقدیریں بنی ہو جاتی ہیں۔

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اس کے برعکس ایک مذہبی اجارہ داری اور فی سبیل اللہ جہاد کے بجائے  
فتنہ و فساد برپا کرنے والا گروہ ہے جو اقبال کی خاص اصطلاح میں ”اہل مسجد“  
ہے۔ یہ نادان اس وقت بھی (تنزل) سجدہ میں گر جاتا ہے جب کہ تو میں حالت  
قیام (تذقی) میں ہیں۔ یہی ”ملا“ ہے جو اپنے ذاتی اغراض کے لیے مذہبی گروہ  
بندی کو اپنے دامن سے ہوا دیتا ہے اور مذہب کے رنگ میں رہبری کا دم بھرتا  
اور دعویٰ کرتا ہے۔ حالانکہ یہ رہبر نہیں لکھن ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اقبال نے بڑے دکھ، درد اور الم سے اس ”ملا“ کا حذر  
اور لہجہ اور حیرانہ بھی بتلایا ہے۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اس ”ملا“ کے دامِ تیرہ  
میں بڑی طرح پھنس جائیں اور دین و دنیا کا خسارہ سستے داموں مول لیں۔  
اعاذنا اللہ من علماء السوء والباطل۔

تاہم علماء حق اس ملاؤں کے گروہ سے مستثنیٰ ہے۔ جن کا ہم نوا دل سے  
احترام کرتے ہیں اور اس اہل مسجد ملا کے جو سرتاپا رجعت پسند ہے دوست  
تہذیب کے فرزندِ مسطر کے متعلق ہم کسی دوسری صحبت میں ذکرِ خیر کریں گے۔  
زیادہ کیا کہیں اقبال کا ایک مصرعہ ہی اک مقالہ کا خاصا طویل موضوع ہے۔

چہرہ روشنی اندرون چنگیز سے تاریک تر

ترجمان حقیقت علامہ اقبال نے معاشرے کی جو تک صدقہ و خیرات نیز زکوٰۃ  
ڈکار لیے بغیر ہضم کرنے والی اس مخلوق مٹا پر جس انداز سے طنز اور تعریض کی ہے۔  
اس کا مقصود اصلاح احوال ہے ہمیں اقبال کی شاعری اور فلسفہ میں جو مٹا کا مرقع  
نقشہ اور تصویر ملتی ہے اس میں رنگارنگ بولوں مختلف، متضاد رنگوں کا امتزاج  
ہے، اقبال کے نظریہ میں مٹا کا سراپا کچھ یوں ہے۔ مٹا کا دل سوز و گداز سے خالی  
پھر تپتی ہے۔ وہ لغت ہائے حجازی کا قارون ہوتا ہے۔ وہ مردی سے  
نا آشنا خاک کی آغوش میں تسبیح مناجات کرتا رہتا ہے۔ بحث و تکرار اس اللہ  
کے بندے کی سرشت ہے۔ فی سبیل اللہ جہاد کی جگہ فساد برپا کرتا رہتا ہے۔  
خرقہ و عمامہ سے زیادہ سروکار رکھتا۔ حیل و تمال و اقوال کی لفظی دنیا میں آنکھ کھولتا  
اور سانس لیتا ہے۔ نیز زیب محراب منبر ہوتا ہے باوجودیکہ اس کے قول و فعل میں  
تضاد پایا جاتا ہے اور اس کی خلوت و جلوت میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔  
مٹا کا دل غم جاناں میں گرفتار نہیں ہوتا۔ بلکہ غم دوران اس کا اوڑھنا بچھونا ہوا کرتا  
ہے۔ مٹا کی نگاہ ہے لیکن تم ناک نہیں ہے۔ اس کی ریگت حجازی میں زمزم نہیں۔  
اس کا دل محروم یقین ہے۔ برسر منبر اس کا یہ عطف اور کلام نیش دار ہوتا ہے سینکڑوں  
کتابیں اس کی بغل کی زینت بنتی ہے۔ لیکن زندگی بھر کتاب خواں ہی رہتا ہے۔  
صاحب کتاب (صاحب دل) نہیں ہوتا۔ ہمہ اسباب خیر سے مایوس اور ناامید  
ہوتا ہے۔ الفرض وہ کور ذوق کم نگاہ اور کم ظرف ہوتا ہے۔ مٹا کی اذال میں سحر کا  
پیام نہیں ہوتا۔ اس کی غانہ میں نہ جلال نہ جمال۔ رہا کمال تو وہ ناممکن۔ مٹا کی اذال

اور مجاہد کی اذان میں جو فرق ہے۔ کہ گیس اور شاہین کی پرواز میں جو حد فاصل ہے وہی اقبال کی نگاہ میں انسان اور ملا ہیں ہے۔ دوسرے الفاظ میں انسانیت دشمن شخصیت کا دوسرا نام ملا ہے۔ اب ہم آخر میں علامہ اقبال کے مختلف اشعار و تلامذہ کی یاد کرتے ہیں۔

حقیقت بلا بد مذہبے فاش کو دند  
کہ ملا کم شناسد رمزدین کو  
چنانچہ نایم اند مسجد شہر  
کہ دل در سینہ ملا گدا زیم  
دین کافر فکر و تدبیر و ہمساد  
دین ملا گرتار غمخے نیست  
دین حق از کافری رسوا تراست  
ز انکہ ملا مومن کافر گراست

مندرجہ بالا اشعار کی روشنی میں ہر وہ شخص جو عالم ملا (ابن مسجد) کہلاتا ہے اور ہر وہ شخص جو تعلیم یافتہ مسٹر (تہذیب کافر زعم) کہلاتا ہے اور اپنے علم پر عمل پیرا ہونے کے بجائے بے عمل ہے تو اسی کی مثال قرآن حکیم میں اسی دراز گوش کی ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لا دیا جائے اور وہ (دراز گوش کا دراز گوش) ہی رہے، ظاہر ہے کہ انسانیت کی ترقی حیوانیت پر نہیں انسانیت پر ہے اور انسانیت کا سرچشمہ علم ہے، علم بغیر عمل کے بیکا ہے ہر موقع پر عمل کی ضرورت ہے۔ بقول اقبال

عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی، جہنم بھی  
یہ خاک اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ نادی ہے

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں  
عشق پر اعمال کی بنسباید رکھ  
(مطبوعہ تاج کراچی)

# فضائل و مسائل رمضان

ازل سے اس کائنات رنگ و بویں عالم خلق اور عالم امر کے صرف دو ہی قانون رائج اور کار فرما رہے ہیں اور آج بھی ان ہی قوانین کا فعال اور موثر ہونا مستحکم و واقعات کی دنیا کا عام مشاہدہ ہے۔

۱۔ ایک قانون تکوینی ہے جس کے پابند جمادات، نباتات نیز حیوانات ہیں۔ انسان بھی اس قانون کی ہمہ گیری سے انکار نہیں کر سکتا۔ اس کا عام تجربہ اور مشاہدہ کے مطابق مثال سنکھیا اور دودھ کی ہے، ایک اگر ٹھکسا ہے تو دوسرا ٹھک چکیا ہے۔

۲۔ دوسرا قانون، قانون تشریحی ہے جس کے پابند صرف انسان ہیں وہ انسان جن کی فطرتیں مسخ نہیں ہوئیں۔ جن کی جبلتیں ماؤت نہیں ہوئیں اور جن کی طبیعتوں میں ابھی تک فساد پیدا نہیں ہوا، اس کی مثال چھوٹ اور سچائی کی ہے۔

چھوٹ انسان کی اخلاقی، ذہنی معنوی ذہنیت کا مظاہرہ کرتا ہے اور سچ اس کے

برعکس اپنے ثمرات اور نتیجے ظاہر کرتا ہے۔ اسی دوسرے قانونِ تشریحی یا اخلاقی کا نام اسلام ہے۔ شیوہ تسلیم و رضا کے سانچے میں ڈھل جانے کا نام اسلام ہے۔ امن و سلامتی کے گہوارے میں عافیت پانے کا نام ایمان اور ظاہر و باطن کی ہم آہنگی نیز صدق و اخلاص کا نام احسان ہے۔ زندگی میں آپ یقیناً موسموں کے تغیر و تبدل سے متاثر اور دوچار ہوتے ہیں، خزاں سے اور بہار سے آپ کے جسم کا حد و اربعہ، بدن کا جھڑائی اور مادی جسم متاثر ہوتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ آیا اس موسم سے! سرما سے گزرا سے، خزاں سے بہار سے، ربیع سے، خریف سے، ہماری ”روحیں“ بھی متاثر ہوتی ہیں۔ جس طرح موسم سرما میں ہمارا جسم سکڑ جاتا اور خشک ہو جاتا ہے۔ کیا ہماری ”روح“ بھی اسی طرح موسم سرما سے سکڑتی اور موسم گرما سے پھیلتی ہے! یقیناً نہیں! اس کا جواب ہے! ماہ رمضان فصل بہار کا موسم ہے جس کی آمد آمد سے ہماری روحیں کیف و مستی حاصل کرتیں اور جذب و شوق پاتی ہیں۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ - (پ ۷)

ارشادِ خداوندی ہے یہی وہ فصل بہار کا خوش گوار و مبارک مہینہ ہے جس میں محروم بقیین پریشانِ حال اور پراگندہ پروردگار سے چھینے ہوئی ”مسرت و سکون“ محسوس کرتی ہیں، یہی وہ مبارک مہینہ ہے جس میں عالم انسانیت کے رشد و ہدایت کے لیے ”یہ ہدایت و جہان و شعور انسانی کی ہویا جو اس خمیر کی، قرآن حکیم کے جتن نزل کا یہ مہینہ فرد کس بدماں آ رہا ہے خوش بخت اور خوش نصیب ہیں۔

وہ اہل ایمان جو رمضان المبارک کے روزے رکھیں گے اور راتوں کو سستی نہ کریں  
ادا کریں گے نیز دن کو تلاوت قرآن حکیم کا حتی تلاوت ادا کریں گے۔

جہاں تک رمضان المبارک کی فضیلتوں، حکمتوں اور مصلحتوں  
**فضائل** کا تعلق ہے۔ احادیث نبویؐ کا مقدس ذخیرہ روایات صحیح  
سند کے ساتھ موجود ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے — قَالَ قَالَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَنْ صَامَ رَمَضَانَ  
مِنْ أَوَّلِهِ إِلَى آخِرِهِ خَرَجَ مِنْ ذُنُوبِهِ كَيَوْمِ وُجِدَ  
لِدَأْتِهِ، أُمَّةً (بخاری)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص روزے رکھے ماہ رمضان  
میں اول سے آخر تک گو یا وہ تو مولود ہے اور گناہوں سے معصوم و پاک پیدا  
ہوا ہے۔

حضرت شیخ جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں یہ

الصَّوْمُ نَصْفُ الطَّرِيقَةِ — روزہ بھی نصف طریقت ہے۔

یہ خواجہ مظفر کوہستانیؒ فرماتے ہیں۔ رُوحِ كَارِ رُزْهٍ يَهْءُ كِهْ يَادِ اللّٰهِي مِيں  
مشغول رہے، نفسِ كَارِ رُزْهٍ نَفْسَانِي خَوَابِشَاتِ بِرِ قَابِو پَاثَے اور عَقْلِ كَارِ رُزْهٍ  
يَهْءُ كِهْ خَلَاْفِ عَقْلِ كُوْنِي بُرَا كَامِ نَهْ كِرِے۔

حضرت امام محمد شیبانیؒ فرماتے ہیں۔ آنكُهْ كَارِ رُزْهٍ يَهْءُ كِهْ بُرِيْ جِيْرِي  
نَهْ دِيْكِهْ، كَانِ كَارِ رُزْهٍ يَهْءُ كِهْ اَنْ سَے كُوْنِي كَلَامِ فَحْشٍ نَهْ سُنْءِ، زَبَانِ كَارِ رُزْهٍ يَهْءُ

ہے کہ بے ہودہ گفتگو نہ کرے۔ ہاتھ کا روزہ یہ ہے کہ اُن سے کوئی کام غلامی  
شریعت کرے، پاؤں کا روزہ بُری اور بدنام جگہوں پر جانے سے احتراز کر کے  
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فرمایا :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا  
كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (پہلے)  
اے اہل ایمان و یقین تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلے  
اہل کتاب پر فرض کیے گئے تھے۔

توراة میں رمضان المبارک کو "حط" "انجیل میں "طاب" زبور میں "قریب" اور قرآن میں "صوم" سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

مقصود ما، زدیرو حرم جز صیبت نیست  
ہر جا کنیم سجده بدار آستان رسد!  
روزہ کا مقصد "تقویٰ" ہے قرآن حکیم اور حدیث رسول کریم کی روشنی  
میں مفہوم ذمہ داریوں کا احساس ہے اور بھائیوں سے یہ سبزی کاری ہے۔  
حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے  
فرمایا :-

إِذَا جَاءَ رَمَضَانُ فَتَفْتَحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَ  
غَلَقَتْ أَبْوَابُ النَّارِ وَصَفَّاتِ الشَّيَاطِينِ (مسلم)  
(ترجمہ) جب ماہ رمضان آتا ہے تب جنت کے دروازے کھلتے، دوزخ  
کے دروازے بند ہوتے اور شیاطین قید کیے جاتے ہیں۔



مشہور احادیث المصنوعہ جنتاً۔ روزہ ڈھالی ہے اور آن حضرت  
 ﷺ نے فرمایا۔ حق سبحانہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ المصنوعہ لی و آنا  
 بخیر یوم۔ روزہ بھانے کیلئے ہے اور یہم (شیرائے بزرگ و بزرگ) ہی اسی  
 جو وصلہ عطا کریں گے۔ (صحیح ستہ)

سنت مؤکدہ ہے۔ رمضان المبارک کے آخری عشرہ، دس و نول  
 عتکاف میں آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عتکاف میں بیٹھنا پسند فرمایا  
 تھے اور بیٹھا کرتے تھے، حضرات صوفیاء کرام اور اولیاء الرحمن کے نزدیک  
 عتکاف میں بیٹھے تراپتے آپ کو مردہ تصور کر کے اور تصرف و ارادہ نیز جنتار  
 یعنی برتر حقیقی حق تعالیٰ کو یقین کر کے تاکہ معنوی اور ذہنی فیوضات برکات  
 مل کرے۔

رمضان المبارک میں ایک مبارک رات، مفسدہ کی رات اور سحر کے  
 لیلۃ القدر نامند ہے۔ داغ معصوم رات لیلۃ القدر ہے جس کی شان  
 بارے میں ارشاد باری ہے۔ لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ الْهَرِ  
 قِ۔ شب قدر بہتر ہے ہزار ہینوں سے۔

آن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَفْضَلُ اللَّیْلِ لَیْلَةُ الْقَدْرِ  
 ہے راتوں میں بہتر رات لیلۃ القدر ہے، الشرح میں اس رات میں ذکر الہی، تلاوت  
 پاک اور درود شریف سے اپنے لمحات اور اوقات کو سیریز و شاداب  
 باور کیجئے اور ہر حال میں رجوع الی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ اپنے لیے اہمیت  
 کے لیے مسخرت اور رحمت کی تدابیر مانگیے۔

بہر شب شب قدر است گز قدر بدانی!

نماز، روزہ حج اور زکوٰۃ مبادی ہیں، مقاصد نہیں، وسائل ہیں منازل نہیں، نیز ان تمام عبادات، بدنی، مالی اور روحانی کا مقصود و مطلوب خدا ہے۔ رب ہے۔ تسلیم و رضا کا مدعا صبر ہے۔

صدقِ خلیل بھی ہے عشق، صبر حسین بھی ہے عشق

معرکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق (اقبال)

نفسِ انسانی کی عام طور پر تین حالتیں ہیں۔ رمضان المبارک کے (صوم) روزہ کا مقصد اصلاحِ نفس ہے۔

۱۔ اگر نفسِ انسانی احکامِ الہی سے سرکشی اور بغاوت پر ہمہ وقت مستعد اور آمادہ رہے تو نفسِ انسانی کی یہ حالت اور کیفیت و کیفیتِ امارۃ کلابی ہے۔ عموماً یہ قساوتِ قلبی، دل کا زنگ اور بد سجتی "کافر" یا شکرے انسان کی علامت ہوتی ہے۔

۲۔ قرآن حکیم کی حکمت و مواعظت کی روشنی میں انسان کے وجدان پر خیر و شر کا الہام ہوتا ہے۔ جب وہ نیکی کا کام کرتا ہے تو اس کا وجدان اور ضمیر شہادت دیتا ہے کہ تم احکامِ خداوندی کی حکم عدلی اور خلاف ورزی کر رہے ہو۔

اگر انسان کے نفس کی یہ کش مکش کی حالت ہو کہ کبھی خیر نیکی کو کہلی جائے پہنائے اور کبھی کبھار شر اور بُرائی کا لباوہ اوڑھ لے تو اس حالت کا انسان قرآنِ حکیم کی اصطلاح میں "منازع" و "مغلا" و "مخا" اور عقل کا

اندھا کھلاتا ہے، کہ ہمیشہ تذبذب کی حالت میں رہتا ہے۔ کبھی سر اٹھتا ہے  
 ہو کر برائی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ نفس کی یہ دوسری حالت "کُوْاْمَةٌ" کہلاتی ہے۔  
 ۳۔ انسان کے نفس کی تیسری اور آخری حالت یہ ہے۔ جسے ہم انسانیت  
 کی معراج اسلام کا طرہ امتیاز اور دین کی ماہرہ الامتیاز حالت کہتے ہیں وہ  
 نفس "مطمئنہ" ہے، جس کا قال، حال اور مال کار (انجام کار) وَلَا خَوْفٌ  
 عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ (البقرہ) وہ اہل ایمان  
 ہر حال میں راضی برضا اور راضی بعطا رہتے ہیں۔

رمضان المبارک کے روزہ اسے مقصد و اور مطلوب یہی صبر و رضا،  
 تسلیم و شکیب اور ہر لحظہ ہر لمحہ اُلجھ کی شانِ لطف و عطا پر مطمئن رہنا ہے  
 اور یہی روزہ کا مقصد ہے۔ روزہ سے پہلے "اتقوا" ہے اور تقویٰ  
 کا ثمرہ اور نتیجہ شیوۃ تسلیم و رضا کا حصول ہے۔

رمضان المبارک کے روزے پر مسلمان پر جو پاگل اور نابالغ نہ ہو فرض  
**مسائل** ہیں جب کوئی عذر شرعی نہ ہو، چھوڑنا درست نہیں ہے۔ قضا  
 اور کفارہ کے روزے بھی فرض ہیں ان کے سوا سب روزے نفل ہیں۔ روزہ  
 میں زبان سے نیت کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ جب دل میں یہ دھیال ہے  
 کہ آج میرا روزہ ہے تو اس کا روزہ ہو گیا۔

اگر کچھ کھایا پیانا ہو تو دن کو ٹھیک دوپہر سے ایک گھنٹہ قبل روزے  
 کی نیت کر لینا درست ہے۔ عوام میں رمضان المبارک کے مسائل کے بارے  
 میں بڑی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں یا پھر دین کی صحیح عنکسات اور قدردانی سے

اچھ گئی ہے۔ اس لیے ہم علماء و محققین سے مسائل کے لیے رجوع نہیں کرے اور  
 نری خود توجہ مبذول کرتے ہیں۔

حالت نیند میں اختلام سے، سرد لگانے سے، شہوار تیل یا صابن  
 استعمال کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اگر آپا ہی آپتے ہو گئی تو روزہ ہمیں  
 ٹوٹتا۔ اگر زبان سے کوئی چیز چھک کر نکلے تو روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ ایسا  
 کرنا مکروہ ہے۔ سواک سے دانت صاف کرنا درست ہے۔ افطاری کیلے  
 چھوٹے سے روزہ کھولنا بہتر ہے۔ رمضان المبارک کا روزہ پھر اٹوڑ دینے کا  
 کفارہ لگانا ساٹھ دن کے بعد رکھنا ہے۔ اگر روزہ بوجہ ضعف و بیماری یا  
 مرض و بیماری نہ رکھ سکے تو ساٹھ مساکین کو کھانا صبح و شام کھلائیے۔

رمضان شریف میں اعتکاف کے دوران مباشرت سے بدہیز  
 کرے۔ یعنی نفاس میں اعتکاف نہ بیٹھنا بہتر ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

مطبوعہ سماج، کراچی

۱۹۶۲ء



# حضرت مجدد الف ثانی

اسم گرامی و نسب مبارک  
آپ کا اسم گرامی احمد لقب بدرالدین کنیت  
ابو البرکات، منصب مجدد الف ثانی عرف امام  
ربانی، محبوب صحابی تھا۔

نسب مبارک آپ کا ستائیسواں واسطہ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
سے جاغتا ہے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی شیخ عبدالاحد تھا جو اپنے زمانے کے  
عالم باعمل اور صاحب زہد و اتقاد تھے۔

ولادت باسعادت  
حضرت امام ربانی محبوب سبحانی ۱۲ شوال ۹۶۱ھ  
بروز جمعہ سرہند شریف میں پیدا ہوئے۔

حضرت مجدد الف ثانی نے اولاً اپنے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد کے  
دستِ حق پرست پر بیعت کی اور ان کی کہیا صفت صحبت سے شرف نسبت و  
نسب فیض کیا۔

حضرت کی سجادہ نشینی  
۷۰۰ ہجرت میں شیخ عبدالاحد جب وصالِ حق کو

بچھے تو آپ نے اپنے تمام فرزندوں، خلفاء اور اپنے وقت کے علماء کو جمع کر کے وہ ہزکات جو سلسلہ سہروردیہ میں چلے آتے تھے اور کچھ جو شیخ مجدد القلوب گنگوہی کے عطا فرمودہ تھے وہ سب حضرت مجدد الف ثانیؒ کو عنایت فرمائے۔

حضرت شیخ باقی باللہ شریف بیعت مولانا حسن کشمیری کی

تحریک پر خواجہ باقی باللہؒ کی خدمت میں حاضری دی۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے حجرے میں پیام ابھی بمشکل دوڑ رہی ہوا تھا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ پر ذوق شوق نے غلبہ کیا آپ نے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں بیعت کی اور خواجہؒ کے حجرے خواجہؒ نے منظور فرمایا اور اپنے حلقے میں شامل کر لیا۔

حضرت خواجہؒ نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کو ذکر اسم ذات تعلیم فرمایا حضرت خواجہ کی توجہ اور کمال شوق کے باعث آپ پر گہرہ طاری رہنے لگا۔

حضرت مجددی کی بچپن اور دور کودکی کا پس منظر امام ربانی حضرت مجدد الف

دور میں تبلیغ و اشاعت دین کا کام سنبھالا۔ عہد نبوت کو گزرنے سے ایک ہزار برس ہو گئے تھے اور اسلام کی عمر کے دوسرے ہزار سال کا آغاز تھا۔ اجدائے اسلام نے منظم و از شاہ کا حال پھیلا رکھا تھا۔ ایک طرف مبتدعین کا گروہ تھا جو دین اسلام میں نئی نئی بدعات و رسوم پھیلا رہے تھے۔ دوسری طرف محدود بے دینی صوفیوں کی جماعت عقائد اسلام کی صورت مسخ کر رہی تھی۔ ہنود اور نصاریٰ بھی احکام اسلام کو منسوخ کرنے میں بھرپور کوشاں تھے۔ ان تمام فریقوں اور گروہوں نے جو

اسلام کے خلاف مصروفِ عمل تھے، اور بارِ شاہی میں جگہ پالی تھی۔ بادشاہ وقت جلال الدین اکبر جو ابتدائے عہد میں علماء و مشائخ کی صحبتوں میں رہ کر اسخ العقیدہ مسلمان بن گیا تھا۔ اب اسلام کے خلاف استعمال ہونے والے سازشی جال میں بڑی طرح اُلجھ کر رہ گیا تھا۔ اس نے دوبار میں احکام اسلام کی توہین شروع کی، رسوم کفریہ کو جاری کیا اور پھر ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی جس کا نام اس نے دین الہی تجویز کیا۔

**ملفوظات** (اتباعِ سنت) حضرت مجدد فرما تھے ہیں کہ میں رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ایک شب بھولے سے بائیں پہلو لیٹ گیا۔ پھر مجھے یاد آیا کہ سونے میں ابتداءً دائیں پہلو سے کرنا سنت ہے جو ترک ہو گئی نفس نے کاہلی سے ظاہر کیا کہ سہواً اور نسیان سے جو چیز سرزد ہو جائے وہ معاف ہے لیکن میں فوراً اٹھا اور پھر دائیں پہلو لیٹ گیا جس کے بعد فیوض و برکات کا ایک منبع میرے لیے پھوٹ پڑا۔

**حضرت شاہ کمال کی عظیم شان** ایک روز حضرت نے فرمایا کہ جب نظر کشفی سے خورد کیا جاتا کیا جاتا ہے تو مشائخ سلسلہ قادریہ میں حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کے بعد حضرت شاہ کمالؒ کے مثل اور کوئی شخص نظر نہیں آتا۔

**بلا و مصیبت ہمارا اعمال کا نتیجہ ہیں** اگر کوئی بلا یا مصیبت پہنچتی تو فرماتے یہ ہمارے اعمال و افعال کا نتیجہ ہے اور اس کا تدارک آپ صدقہ خیرات سے کرتے اور اسے ہی موجب سعادت ٹھہراتے اور اسی

کو ترقی کا ذریعہ خیالی فرماتے۔

(توحید کی تعریف) توحید سے مراد یہ ہے کہ دل اللہ تعالیٰ کے سوا کسی تعلیمات اور کی طرف کرنے سے خالی ہو جائے۔ جب دل ماسوائے حق میں مبتلا ہے اگرچہ بہت مہمونی سا ہو وہ شخص توحید والوں میں سے نہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے صفا اور <sup>ت</sup>جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ذات خود موجود افعال میں واحد ہے۔ یہ اور حق تعالیٰ اپنی ذات و صفات اور انسانی میں گیا ہے۔ اس فرق الحقیقت کسی امر میں وہ وجودی ہو یا غیر وجودی کوئی بھی اس کے ساتھ شریک نہیں ہے۔

آپ کی تصانیف کی صحیح تعداد کا علم نہیں ابتہ چند کتابیں آج تصانیف بھی تشنگان شریعت و طریقت کے لیے سیرابی کا بہت نام کر رہی ہیں۔ نوع انسانی کے لیے چراغ راہ ہیں ان میں اثبات النبوة، رتور واقف، رسالہ تہلیلہ، معارف لدنیہ، مبداء و معاد، مکاشفات حسیہ اور شرح رباعیات جو حضرت باقی باللہ کی رباعیات کی تشریح و توضیح پر مشتمل ہے۔ ان کتب کے علاوہ امام ربانی مجدد الف ثانی کے مکتوبات ہیں جو فارسی زبان میں ہیں چند خطوط عربی میں ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اپنی توحید عمل اور ان مکتوبات کے ذریعے جتنا عظیم الشان انقلاب ابھرا اصلاح و تہذیب کا کام انجام دیا ہے اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

آپ کے مکتوبات نہ صرف تصوف بلکہ علوم و معارف اور نکات اسرار



کا گنج گرانمایہ ہے۔

وصالِ حق سے چھ سات ماہ قبل آپ خلوت گزینی اور گوشہ  
**وصالِ حق** نشینی اختیار کیے ہوئے تھے۔ ۱۷ اربزی ۱۳۳۳ھ آپ کو  
 ضیقِ نفس کا دورہ پڑا، اگرچہ یہ دورہ ہر سال ہوا کرتا تھا لیکن گزشتہ سالوں کی  
 نسبت یہ دورہ انتہائی شدید تھا۔ آخر کار ۱۰ دسمبر ۱۹۲۲ء بمطابق ۲۸ صفر  
 ۱۳۴۲ھ کو آپ واصلِ حق ہوئے۔ وصالِ حق کے وقت آپ کی عمر تریسٹھ  
 برس تھی۔



# موجودہ دور کی پریشانیوں اور ان کا حل

جہاں تک موجودہ عہد کی پریشانیوں کا تعلق ہے حقیقت انہر من الشمس ہے کہ ہر عہد اور ہر دور میں انسان اور پریشانی کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے، پریشانی کے تصور کا اگر منفی اندازہ نظر سے تجزیہ کیا جائے تو سوائے فطرت، مایوسی اور نامرادی کے کچھ نتیجہ حاصل نہیں ہوگا اگر آپ اندر ہم مثبت زاویہ نگاہ سے غور و فکر کرنا شروع کریں تو یقین کیجئے کہ پریشانی کو آپ ایک نعمت غیر مترقبہ محسوس کریں گے۔

اپنی اس "پریشانی بنیادی" سے آپ چونک کیوں گئے! جی ہاں! پریشانی ایک نعمت غیر مترقبہ اور نعمت عظمیٰ ہے؟

جب تک دریا کی موج، مضطرب ہے، پسین اور پریشانی ہے سزاوار ہے! اور جب یہی موج ساحل سے ہم آغوش ہوئی مردہ تصور ہوگی۔

زندگی کا دوسرا مفہوم اضطراب مسلسل اور پریشانی ہے، یہ زندگی جو سراسر حرکت، حرارت اور عمل ہے، پریشانی خاطر ہی کا خوب صورت رد عمل ہے، یہ زندگی جو جبر و اختیار کے سانچے میں ڈھلی ہے جسے ہم

✽ شاید باید زیستن تا شاد باید زیستن

بسر کر رہے ہیں۔ ایک رات پر جو صعوبت تکلیف اور پریشانی سے بھر پور ہے۔

✽ زندگی کی حقیقت کو بہن کئی سے پہچ

سکون خاطر اور اطمینان قلب تو ہمیں منزل پر ہی جا کر ملے گا۔

✽ منزلِ ماکبر است

بقول حضرت عیسیٰ علیہ السلام "دنیا ایک پل ہے اور زندگی ایک سفر ہے"

اس پل کو ہم طوعاً و کرہاً عبور کر رہے ہیں۔ اگر پل پر ہی دھرتا مار کر بیٹھ جائیں، پرجان

ہو جائیں، نیز دنیاوی عارضی اور ناپائیدار لذتوں اور نعمتوں پر رکھ کر رہ جائیں

تو یہ ہماری کوتاہ اندیشی اور نادانی ہوگی،

سے جس شے کے معنی میں بھی وثاقت ہو

ایسی دنیا سے پیار کیا معنی!

قرآن حکیم کی سورۃ العصر کی روشنی میں گردشِ پل و نہار شاہر ہے کہ

صرف مادیت کا دلدادہ انسان ہمیشہ نقصان اور خسارے میں رہا ہے انسانی

تاریخ کے مظاہر و شواہد موجود ہیں کہ ہر وہ انسان جس کی زندگی کا کوئی نصب العین

اور مقصد حیات نہیں ہے ہمیشہ اپنی خود غرضی، ذاتی مفاد اور خود پسندی کے

سبب خسارہ اور گھاٹے میں رہا ہے۔ یہ آٹھ دن کی معاشرہ میں غارت گری

لوٹ کھسوٹ، قتل و خون ریزی اور دہری کے روپ میں راہِ زنی، آخر کس

قسم کے ذہنی کی پیداوار ہیں۔ مادیت پرست طبیعتوں کو شاید یہ تلخ حقیقت

ناگوار گزرے کہ خود غرضی، تنازع البقاء، تو ہماری جبلت کا خاصا اور تقاضا

ہے۔ اس لیے جائز و ناجائز، کی پابندی اور قدغن عائد کرنے والے آپ کو  
ہیں؟

اس کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ جہاں تک شکر سب اور تناصر اللہ کے  
فلسفہ زندگی کا تعلق ہے اس کے دائرے قانونی تکرینی اور قانون تشریحی کی  
خلافت دہائی پر جا کر ملتے ہیں اور اس کے سمونے کفر و الحاد کے پستوں سے بچنے  
ہیں، اور اصلی ہمارے مخاطب وہ اہل نظر ہیں جو دین اور اخلاقی قدروں کے حامل  
جو انی سطح سے بلند ہو کر زندگی بسر کرنا پسند کرتے ہیں اور مرد و کائنات کا کون  
حضرت سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر کامل یقین اور  
مسن عقیدہ رکھتے ہیں۔

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں  
نیز ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ و اسوۂ حسنہ کو اپنے لیے  
مشعلی راہ تصور کرتے ہیں۔ یہ امر واقعہ ہے کہ عقل بے مایہ جس کے خمیر میں خود غرضی  
اور جلب منفعت ہے انسانیت کے قافلہ کی قیادت و امامت کی سزاوار نہیں  
اس عقل "شتر بے ہمار" کو عشق و جنون وحی الہی کے تابع کر دیجئے۔ آپ کی  
ہم سب کی پریشانیوں کا فود ہو جائیں گی،

کی محمد سے وفاتوں سے تو ہم ترے ہیں  
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم ترے ہیں

بننا ہر انسان کا حدود و اربعہ تین اجزاء ہیں، مادہ، روح اور ذہن۔ ہر ایک  
جزو کا علیحدہ علیحدہ وظیفہ اور تقاضا ہے، ویسے تو مجموعی حیثیت سے انسان

مختلف عناصر کا مجموعہ ہے۔ نباتات سے بھی اس کا رشتہ ہے کہ نشوونما کی استعداد رکھتا ہے۔ جمادات سے بھی تعلق رکھتا ہے کہ بعض اوقات جمود اور تعطل کا شکار ہو جاتا ہے اور حیوانات سے بھی اس کا ناٹھ ہے کہ حیوانی تقاضے اپنے اندر درجہ کاملہ کی طرف سے ودیعت رکھتا ہے۔ تاہم انسانی شخصیت کے اگر ان اجزاء میں (جسم، روح اور ذہن) میں اعتدال پیدا ہو جائے اور سونے پر سہاگہ کے طور پر سحر و نظر اور حسن عمل بھی کار فرما ہیں تو اس قسم کی انفرادیت عمق پر اور نابغہ روزگار تصور ہوتی ہے۔ میر علی محمد و غیر معمولی شخصیت بن اور نکھر کر انسانیت کے افق پر ہر درخشش کے مانند طلوع ہوتی ہے۔

یہاں تک مادیت کے تقاضوں کا تعلق ہے ہم سب انہیں بجز خوبی پورا کر رہے ہیں بلکہ بڑھ چڑھ کر جائز و ناجائز فریعوں سے ان کے حصول میں رات دن سرگرم اور کوشاں ہیں۔

خورد کھوٹی گئی ہے روز و شب میں

یہاں تک کہ احکام خداوندی کے حدود تک سے ہم تجاوز کرتے جا رہے ہیں اور بجائے خدا پرستی اور نیک عملی کے "لذت پرستی" ہمارا مشرب اور مذہب بن چکا ہے۔

معاف فرمائیے گا ہم ذرا صاف گوئی سے برملا کہیں گے کہ ہمیں جاہلیت، قبل اسلام کے دور میں "لات اور منات" دو بڑے مشورہت تھے اور آج اس روش خیالی، کے ترقی پسند عہد میں ہم نے اپنے لائقوں "دوبت" بڑی خوب صورتی سے تراش رکھے ہیں۔ "دولت" اور "اقتدار" جن کی پرستش بڑی

گورنش بجائے آدمی سے ہم کر رہے ہیں۔

میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلمان ہو گیا

سوال یہ ہے کہ "روح" کیا ہے، کیوں کر ہے اور کہاں سے آئی ہے اور ان لوگوں کے سوالوں کا جواب "سوز و مانع" علم و خبر اور الفاظ کی تباہی سے دینا ناممکن ہے بلکہ "سوز و مانع" دل کشف و نظر سے اس کا جواب ہمیں موصول ہو سکتا ہے اور جو باہر معنی کے محرم لازم اپنے ذوق و جدائی سے ہمیں مطمئن کر سکتے ہیں بشرطیکہ ہم محروم ازلی نہ ہوں۔

انسانی نظرت کا خاص تقاضا ہے کہ وہ اپنے سے زیادہ طاقت ور اور قوی سے متاثر اور مرعوب ہوتا ہے اور خوف زدہ ہو کر اس قوت و طاقت کی پرستش کرتا ہے۔ بجائے اس کے کہ ہم اپنی جیسی حقیر معمولی اور سراپا حنیف مخلوق کی پرستش کا نفاذ اپنی گردن میں حائل کریں۔ کیونکہ نہ اپنے عظیم زخماں بزرگ و بزرگ لائق کائنات محبوب حقیقی کی عبادت اور پرستش کریں اور دوسرے مسبودانِ باطل سے قطعی بے نیاز ہو جائیں۔

لہذا پریشانی کا حل اور علاج صرف روح انسانی کی تسکین ہے جو ہمیں ذکر و یاد اور دوست سے حاصل ہو سکتی ہے جب کہ ویدہ بنا ہمارے صدر میں آئی ہو۔

دید آں باشد کہ دیدہ دوست است  
 اور دوسرے الفاظ میں

جز بخلوت گاہ حق، آرام نیست  
 انسانی جسم میں تیسری غیر معمولی چیز "ذہن" ہے۔ قرآن حکیم کی اس وحی

فردانی کی روشنی میں ارشاداتِ خداوندی کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھ تم کھو چکے ہو، اس پر کڑھنا، پریشان ہونا اور کفِ افسوس ملنا چھوڑ دو اور جو کچھ موجودہ حالتِ خوش بختی و خوشحالی ہے اس پر اپنے اندر جھوٹا گھمنڈ بہرگز پیدا نہ ہونے دو۔ نیز بعض حالات میں تم اپنی ایک ناکفیتہ بہ کو بزمِ عجمِ خویش اچھا تصور نہیں کرتے لیکن اس میں حکیمِ مطلق کی حکمتِ خاصہ کا دخل ہوتا ہے۔ مشیتِ ایزدی ہر معاملہ میں مؤثر و فعال لایرید ہے، تاہم اس میں بھلائی اور خیر کار فرما ہوتی ہے یا اس کے برعکس۔ کیونکہ تمہارا علم اور حواس کے ذریعہ مشاہدہ ناقص اور محدود ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم لامحدود ہے اس لیے ع۔

جہاں بلند داند، جہاں دانش

اس لیے اپنے ذہن کو رجائیت، اُمید اور ایجابی تعمیری اور مثبت خیالات اور افکار سے ہمیشہ شاداب اور تروتازہ رکھیے باور کیجیے آپ کی پریشانیوں حریفِ غلط ثابت ہوں گی۔

یاد رکھیے وہ نیکی علم اور نور ہے، بدمذہبی جہل اور ظلمت ہے، جب آپ نے اپنا تعلق اللہ نور السموات والارض سے استوار کر لیا اور مضبوط کر لیا تو یقیناً آپ انوار و تجلیاتِ الہی کے پرتو سے منور ہو کر رہیں گے اور پھر یہ علم و نور بین جائیں گے۔ ظاہر ہے جس کا دماغ علم و شعور سے روشناس ہوا اور دل نور بصیرت سے آشنا ہو وہ کیونکر پریشان رہ سکتا ہے۔

الغرض پریشانی، بے چینی اور اضطراب کا حتمی علاج اور حربہ نسخہ یہ عقیدہ اور ایمان ہونا چاہیے کہ

الْمَيْسِرَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ - کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی رازداری  
 کفالت اور کارسازی کے لیے کافی نہیں ہے۔  
 عقل تجویز کرتی ہے اور عشق تفویض، ہر حال میں ہر دور الی اللہ تعالیٰ  
 کے ساتھ شیوہ تعلیم و رضا کو اپنا نظریہ حیات بنا لیجئے اور پریشانیوں کے  
 ہمیشہ کے لیے نجات کی راہ اپنا لیجئے۔  
 ہر حال میں راضی ہو رہنا ہو تو مزراویکھ

مطبوعہ روزنامہ تعمیر زاد لیبندی



(سندھی نوحیہ)  
 (فطیح)

# ایک زبان قلب

محققان و معارف قرآنی تصوف کے موضوع پر ایک غیر معمولی مکمل کتاب  
 از علامہ حضرت مرشدنا سید اسد الرحمن قدسی شاہ صاحب مدظلہ العالی جس  
 کو سندھی زبان و ادب کے سانچے میں شیطیب رحمانی نے بڑی خوب صورتی  
 سے ڈھالا ہے۔ محقریب انشاء اللہ الرحمن اہل نظر کے ہاتھوں تک پہنچ  
 جائے گی۔  
 پتہ: مکتبہ رحمانی، فیڈرل بی ایریا کراچی۔



اللہ معکم ایما کنتم فاللہ خیر حافظا وهو الرحیم الرحیم

# مقالہ رحمان

یا  
تذکرہ بزرگان

”فیضان“

حضرت مرشدنا سید اسد الرحمان شاہ صاحب <sup>سید ظلہ</sup> قادری

صوبہ

حکیم عبد العزیز خطیب رحمانی

الناشر

کتب خانہ قندیر رحمانیہ  
زبیدہ منزل، ٹھہرہ فلور  
بلاک ۳، کوآرٹ نمبر ۲۵، لیاقت آباد کراچی